ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 33... شمارہ نمبر 02... فروری 2025

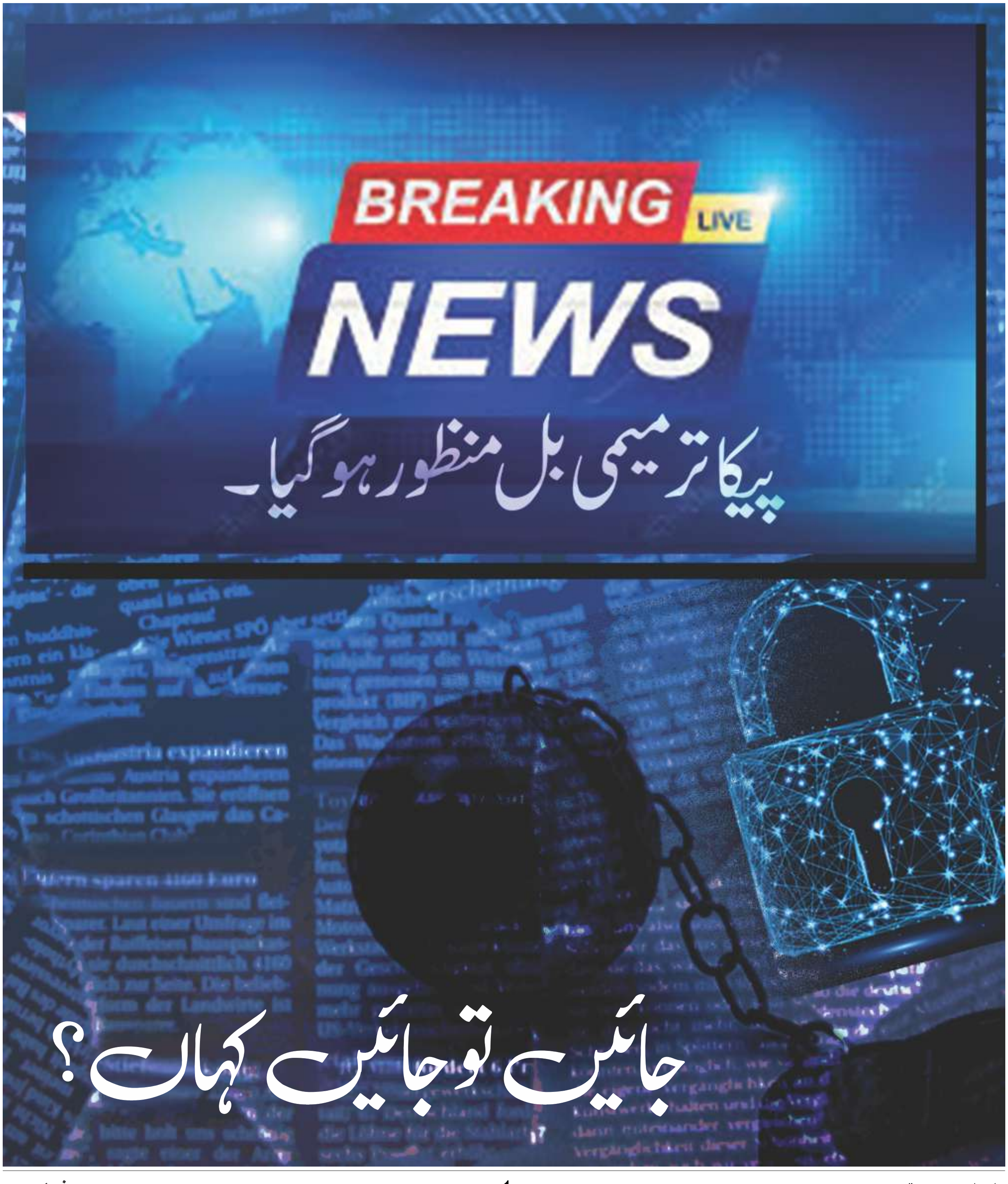

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم،مالی معاونت،سیاسی پناہ،جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار	جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں، واٹس ایپ کر سکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
ایوان جمہور۔107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600 فون : 5969 3586 ,8341 3583 ,4994 3586 42 92+ ای میل : hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org مرکز شکایات سیل فون : 5969 3584 042 92+ موبائل : 4884 341 0321 92+ ای میل : complaints@hrcp-web.org	یونٹ نمبر 08،فلور 1 سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس) عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی۔ 74400 فون : 7132 3563 ,7131 3563 21 92+ شکایات سیل (موبائل) : 6287 111 315 92+ ای میل : karachi@hrcp-web.org	43 گلشن اقبال لین (نزد ارباب روڈ سٹاپ) یونیورسٹی روڈ، پشاور فون : 4253 584 091 92+ شکایات سیل (موبائل) : 0640 950 0318 92+ ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدرآباد
آفس B-1،فلور 2 بلاک ڈی-12، (اوپر فیصل بینک) جی 8، مرکز، اسلام آباد فون : 1127 835 51 92+ شکایات سیل (موبائل) : 4773 569 333 92+ ای میل : islamabad@hrcp-web.org	فلیٹ نمبر C-6 کبیر بلڈنگ ایم۔اے۔جناح روڈ، کوئٹہ فون : 7869 282 81 92+ شکایات سیل (موبائل) 6125 294 306 92+ ای میل : quetta@hrcp-web.org	306- فائزہ آرکیڈ، (لوفٹ اینڈ میزانائن فلور) نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ صدر کنٹونمنٹ، حیدرآباد فون : 770 720 ,3688 278 22 92+ فیکس : 4645 278 22 92+ شکایات سیل (موبائل) : 2222 339 310 92+ ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
2511/5A ابدالی کالونی نزد بریٹین سکول ملتان فون : 7217 451 61 92+ شکایات سیل (موبائل) : 5529 665 331 92+ ای میل : multan@hrcp-web.org	آفس نمبر 8-9، رانگ یل پلازہ جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد کالونی، جتیال، گلگت موبائل : 5553 547 0344 92+ شکایات سیل (موبائل) : 1088 454 355 92+ ای میل : gilgit@hrcp-web.org	پرواز ہاؤس، بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی پسنی روڈ، تربت، کیچ فون : 365 413 852 92+ شکایات سیل (موبائل) : 2406 234 323 92+ ای میل : turbat@hrcp-web.org

فہرست

پریس ریلیزیں 03

سخت سزائیں: اظہار کی آزادی
کی صورت حال (2024-2022) 05

پیکا ترمیم اور اظہارِ رائے پر پابندیاں:
'اب حکومت جج جیوری اور جلاد ہے' 07

2024 میں انسانی حقوق کی
صورت حال کا خلاصہ 08

موسمیاتی تبدیلی سے نمٹنے میں
پاکستانی عدلیہ کیا کردار ادا کر سکتی ہے؟ 10

12 فروری: پنجاب کی
نسوانی تحریک کی استقامت کا جشن 12

'متجسّس افراد' 12

پنجابی زبان کی ترقی اور زوال:
ثقافتی شناخت اور سماجی و مذہبی ہم آہنگی پر اثرات 13

ہجرت
کیا ہندو برادری سندھ چھوڑ رہی ہے 14

لاہور میں خاکروبوں کے مسائل؛ کوئی انگلی
ایسی نہیں جو زخمی نہ ہو 15

قلم آزاد 16

سندھ میں ہندو برادری کی نقل مکانی پر ایچ آر سی پی کی رپورٹ کا اجراء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ، ''ہجرت: کیا ہندو برادری سندھ چھوڑ رہی ہے؟'' ظاہر کرتی ہے کہ ریاست ایک کمزور اقلیت کے تحفظ میں ناکام رہی ہے۔ کئی ہندو خاندان نہ صرف مذہبی بنیادوں پر ہونے والے تشدد بلکہ معاشی مشکلات اور موسمیاتی تبدیلی کے باعث ہجرت پر مجبور ہو رہے ہیں۔

رپورٹ کے مشاہدات سے آگاہ کرنے کے لیے منعقد کیے گئے ایک اجلاس میں ایچ آر سی پی کے چیئرمین اسد اقبال بٹ نے نشاندہی کی کہ سندھ میں ہندو برادریوں کے خلاف تشدد اور امتیازی سلوک کی خبریں بہت کم رپورٹ ہوتی ہیں۔ ان برادریوں کے بہت سے افراد بیرون ملک، بشمول بھارت، ہجرت پر مجبور ہیں، حالانکہ اس کے لیے انہیں بھاری سماجی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

وزیر اعلیٰ سندھ کے مشیر برائے انسانی حقوق، راج ویر سنگھ سوڈھا، نے کہا کہ اعلیٰ ذات کے کئی ہندو خاندان صوبے میں امن و امان کی خراب صورت حال کے دوران مجرمانہ گروہوں کی جانب سے بھتہ خوری کا نشانہ بنے ہیں، جس کے باعث وہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ایچ آر سی پی کی کونسل رکن پشپا کماری نے ہندو خواتین کے اغوا، جبری تبدیلی مذہب اور کم عمری کی شادی کے مسائل کو اجاگر کیا۔

کونسل رکن اور صحافی سہیل سنگی نے سندھ اور وفاقی حکومتوں سے مطالبہ کیا کہ وہ ہندو برادری کے لیے محفوظ اور باوقار ماحول پیدا کرنے کے لیے فوری اقدامات کریں، جن میں قانون کا مؤثر نفاذ، پولیس میں ہندوؤں کی نمائندگی بڑھانا اور حکومت اور مقامی ہندو برادریوں کے درمیان مسلسل مشاورت شامل ہے۔

ایچ آر سی پی کی تحقیق یہ بھی تجویز کرتی ہے کہ اس مسئلے کی سنگینی کا اندازہ لگانے کے لیے ہندو افراد اور خاندانوں کی سندھ سے نقل مکانی سے متعلق مستند اعداد و شمار اکٹھے کیے جائیں، اقلیتوں کے خلاف تشدد والے علاقوں میں خصوصی قانون نافذ کرنے والے یونٹس تعینات کیے جائیں، اور جبری تبدیلی مذہب اور کم عمری کی شادی کی روک تھام کے لیے قانون سازی کی جائے اور اس پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔

ایچ آر سی پی سندھ کے نائب چیئرمین قاضی خضر حبیب نے اجلاس کا اختتام پر شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔

[پریس ریلیز۔ کراچی۔ 22 جنوری 2025]

پیکا بل بنیادی حقوق کے منافی ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو قومی اسمبلی میں الیکٹرانک جرائم کی روک تھام (ترمیمی) بل 2025 کی منظوری پر شدید تشویش ہے۔ ڈیجیٹل اظہار کی آزادی کے تحفظ کے حوالے سے ماضی میں ریاست کے غیر مناسب کردار کے پیشِ نظر، خدشہ ہے کہ اگر یہ قانون بن گیا تو پھر یہ سیاسی کارکنوں، انسانی حقوق کے دفاع کاروں، صحافیوں اور اختلافِ رائے رکھنے والوں کو ریاستی اداروں پر تنقید کے نام پر نشانہ بنانے کا ایک اور ذریعہ ثابت ہوگا۔

دفعہ 26-الف میں 'جھوٹی یا غلط خبروں' پر بل کا زور پریشان کن ہے۔ بل کا متن 'جھوٹی خبروں' کی اطمینان بخش تعریف فراہم نہیں کرتا اور اس کے بجائے عوام میں 'خوف، دہشت، انتشار یا بدامنی جیسے مبہم نتائج کا حوالہ دیتا ہے۔ مزید برآں، تین برس تک کی مجوزہ سزا حد سے زیادہ ہے۔

ڈیجیٹل مواد کو کنٹرول کرنے کے لیے چار نئی اتھارٹیز کی تشکیل اور اس کے نتیجے میں کئی طرح کا کنٹرول سسٹم لاگو ہوگا جس سے اظہار اور رائے کی آزادی پر شدید منفی اثر پڑے گا۔ یہ امر کہ مجوزہ سوشل میڈیا پروٹیکشن ٹربیونل میں اپیلیں براہ راست عدالتِ عظمٰی میں جائیں گی اور یہ کہ یہ ٹربیونل حکومت کے مقرر کردہ ممبران پر مشتمل ہوگا، اس لیے بھی تشویش کا باعث ہے کیونکہ اس کا مطلب عدالتی نگرانی میں کمی اور انتظامیہ کے کنٹرول میں اضافہ ہے۔

ایچ آر سی پی حکومت کو یاد دلانا چاہتا ہے کہ ڈیجیٹل آزادیاں پہلے ہی سخت کنٹرول میں ہیں، چاہے قانون کے ذریعے یا پالیسی کے ذریعے، جس سے لوگوں کے معلومات اور رابطے کے حقوق شدید متاثر ہو رہے ہیں، اور یہ دونوں حقوق ہی اکیسویں صدی کی جمہوریت کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اس بل پر مزید آگے بڑھنے سے پہلے سینیٹ میں کھلی اور جامع بحث ہونی چاہیے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 27 جنوری 2025]

آزادی اظہار کے تحفظ کے لیے پیکا قانون کے خلاف اتحاد کا قیام

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) کی جانب سے آج منعقد ہونے والے مشاورتی اجلاس میں شرکاء نے الیکٹرانک جرائم کی روک تھام کا (ترمیمی) ایکٹ 2025 کی منظوری پر شدید افسوس کا اظہار کیا۔ شرکاء کا کہنا تھا کہ یہ قانون نہ صرف صحافت بلکہ عام سوشل میڈیا صارفین کی آزادی اظہار پر بھی مزید قدغن لگائے گا۔ اجلاس میں رؤف عطا، سینئر وکیل عابد ساقی، پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (پی ایف یو جے) کے صدر افضل بٹ، راولپنڈی اسلام آباد یونین آف جرنلسٹس (آر آئی یو جے) کے صدر طارق علی ورک، جنرل سیکریٹری آصف بشیر چوہدری، 'وجہ' کی بانی فوزیہ کلثوم رانا اور پاکستان پیپلز پارٹی کے سینیٹر ضمیر حسین گھمرو نے شرکت کی۔ سینئر صحافی حامد میر اور مطیع اللہ جان، ایچ آرسی پی کے کونسل اراکین ناصر زیدی، فرحت اللہ بابر اور ندا علی، اور ایچ آرسی پی کے سابق چیئرمین افراسیاب خٹک نے بھی اس قانون پر اظہار خیال کیا۔

اجلاس کی صدارت ایچ آرسی پی کی شریک چیئرپرسن منیزے جہانگیر نے کی، جبکہ 'بولو بھی' کے ڈائریکٹر اسامہ خلجی، اے جی ایچ ایس کی نمائندہ انس وتی اور وکیل صلاح الدین احمد نے قانون سے متعلق پریزنٹیشنز دیں۔ شرکاء نے شدید افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جن سیاسی جماعتوں نے پہلے پیکا ترامیم کی مخالفت کی تھی، انہوں نے اب اسے فوری طور پر منظور کر لیا ہے۔ شرکاء نے مطالبہ کیا کہ تمام متعلقہ جماعتیں آزادی اظہار کے حوالے سے اپنا مؤقف واضح کریں۔ انہوں نے اس معاملے میں اسٹیبلشمنٹ کے آگے جھکنے پر سیاسی جماعتوں کی مذمت کی۔

اگرچہ شرکاء نے تسلیم کیا کہ جعلی خبروں سے متعلق خدشات موجود ہیں، تاہم انہوں نے زور دیا کہ ان خدشات اور آزادی اظہار کے آئینی حق کے درمیان توازن قائم کیا جانا چاہیے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ 'جعلی خبر' کی مبہم اور وسیع تعریف کی اختلاف رائے کو دبانے کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ، اس قانون کے تحت اب کوئی بھی شخص شکایت درج کرا سکتا ہے، چاہے وہ متاثرہ فریق ہو یا نہ ہو، جس سے اس کے بے جا استعمال کے امکانات مزید بڑھ گئے ہیں۔

مشاورت کے اختتام پر آزادی اظہار کے تحفظ کے لیے ایک وسیع اتحاد بنانے کی قرارداد منظور کی گئی۔ اس اتحاد میں پی ایف یو جے، ایس سی بی اے، ایچ آرسی پی، ڈیجیٹل میڈیا الائنس فار پاکستان، فریڈم نیٹ ورک، ارادہ، وجہ، بولو بھی اور اینکرز ایسوسی ایشن آف پاکستان شامل ہوں گے۔

[پریس ریلیز۔ اسلام آباد۔ 31 جنوری 2025]

سول سوسائٹی کی جانب سے اسلام آباد کے لیے پُرامن اجتماعات پر پابندی کے قانون کی مذمت

آج پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) نے ایک ایڈووکیسی اجلاس کے دوران پرامن اجتماع و امن عامہ ایکٹ 2024 کو ایک 'سخت گیر' قانون قرار دیتے ہوئے اس پر تنقید کی ہے۔ ایچ آرسی پی کے سیکریٹری جنرل حارث خلیق نے نشاندہی کی کہ پرامن اجتماع کی آزادی کو محدود کرنے والے ملکی قوانین نہ صرف آئین کے آرٹیکل 8 اور 16 کے منافی ہیں بلکہ یہ بین الاقوامی معاہدہ برائے شہری وسیاسی حقوق کے تحت پاکستان کی ذمہ داریوں سے بھی متصادم ہیں۔

وکیل اسفندیار وڑائچ، جنہیں ایچ آرسی پی نے اس قانون کا جائزہ لینے کی ذمہ داری سونپی تھی نے وضاحت کی کہ اس قانون نے پرامن اجتماع کی آزادی کو مفلوج کر دیا ہے، کیونکہ اس نے اجتماعات کو ان علاقوں تک محدود کر دیا ہے جو اجتماعات میں حصہ لینے والوں کی پہنچ سے دور ہیں۔ اس کے علاوہ، اس قانون کے ذریعے فوری اجتماعات پر ایک سخت اجازت نامے کا نظام لاگو کر دیا گیا ہے۔ سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ اس قانون نے 'غیر قانونی' اجتماعات کے شرکاء پر سخت سزائیں عائد کی ہیں اور طاقت کے استعمال کے لیے کوئی واضح معیار مقرر نہیں کیا۔

صحافی حامد میر نے کہا کہ عدالتی احکامات کے باوجود بلوچ حقوق کے کارکنوں کے خلاف ایسے قوانین کا غیر متناسب استعمال کیا گیا ہے۔ اے آئی جی اسلام آباد پولیس طاہر کاظم نے کہا کہ مذکورہ قانون شہریوں کے پرامن اجتماع کے حق پر 'مناسب پابندیاں' عائد کرتا ہے، لیکن انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ ایسے قوانین کا 'غلط استعمال' نہیں ہونا چاہیے۔

وزارت برائے انسانی حقوق (ایم او ایچ آر) کے نمائندے امتیاز علی نے نشاندہی کی کہ یہ قانون حکومت کے سیاسی مخالفین کو قابو میں رکھنے کے لیے استعمال ہو رہا ہے، لیکن اس کے تمام شہریوں کے پرامن اجتماع کے حق پر سنگین اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ڈیجیٹل رپورٹر اسد علی طور نے کہا کہ یہ قانون خاص طور پر پسماندہ طبقات کے لیے نقصان دہ ہے۔ صحافی مطیع اللہ جان نے سیاسی جماعتوں پر زور دیا کہ وہ ایسے قوانین کے خلاف آواز اٹھائیں جو لوگوں کے بنیادی حقوق کو محدود کرتے ہیں۔

سول سوسائٹی کے ارکان نے ریاست کے دہرے معیار کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ وہ دائیں بازو سے وابستہ پرتشدد گروہوں کو گنجائش فراہم کرتی ہے، جبکہ عام شہریوں کے آئینی حقوق کے لیے کیے جانے والے پرامن مظاہروں پر پابندی عائد کرتی ہے۔

اجلاس کے اختتام پر ایچ آرسی پی کے کونسل ممبر فرحت اللہ بابر نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ امن عامہ کی ضرورت اور تمام لوگوں کے پرامن اجتماع کے حق کے درمیان توازن قائم رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ انہوں نے یہ بھی نشاندہی کی کہ مذکورہ قانون جلد بازی میں اور پارلیمانی بحث کے بغیر منظور کیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جب تک لوگ پرامن اجتماعات کے ذریعے براہ راست قانون سازوں سے رجوع کرنے کے قابل نہیں ہوں گے، وہ اپنے مسائل کو جمہوری طریقے سے حل کرنے کی امید نہیں کر سکتے۔

[پریس ریلیز۔ اسلام آباد۔ 16 جنوری 2025]

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

سخت سزائیں

ماہم مہر

اظہار کی آزادی کی صورت حال (2022-2024)

زبان بندی کے موسم میں گلی کوچوں کی مت پوچھ
پرندوں کے چہکنے سے شجر آباد ہوتے ہیں

پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) 2022 کے اوائل سے زیر عتاب ہے، جب اس کے رہنما عمران خان کو وزیر اعظم کے عہدے سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اس تاریخی واقعہ کے ساتھ ہی میڈیا بڑی ہنگامہ خیزی کا منظر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ نیوز رومز شہ سرخی بنانے والی پیشرفتوں کو برقرار رکھنے کے لیے دباؤ میں ہیں کیونکہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے اس پر ریاست کی طرف سے مسلط کردہ حدود غیر متوقع طور پر تبدیل ہونے لگیں، جس سے صحافتی تحقیقات کا دائرہ محدود ہو گیا۔ وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کے متنازعہ ووٹ (وی او این سی) کے ردعمل میں عوامی تلخی اور غصے کی ایک لہر اٹھی۔ غصے میں کسی کو بھی نہیں بخشا گیا۔ سیاست دان، بیوروکریسی، عدلیہ اور فوج بے مثال تنقیدی تجزیے کا موضوع تھے۔ لیکن آزادانہ طور پر ان سیاسی خیالات کا اظہار کرنا ایک پریشان کن عمل تھا۔ مرکزی دھارے کا میڈیا اور آن لائن میڈیا، ایک نیا میدان جنگ بن گیا۔ لکیریں کھینچی گئیں: بہت سے جنہوں نے وی او این سی سے پہلے خان کی حمایت کی تھی وہ ان کے ساتھ کھڑے تھے، جب کہ دوسروں نے راستہ بدل دیا۔ یو ٹیوب ولاگز اور ٹویٹر کی جگہیں حالات حاضرہ کے پلیٹ فارمز میں تبدیل ہو گئیں۔ ایکو چیمبرز اس بات سے گونج اٹھے کہ میڈیا نیٹ ورکس اور ان کے صحافی کسی ایک فریق کے حق میں ہیں یا مخالفت کر رہے ہیں۔

یہ مزاج 9 مئی 2023 کو عمران خان کی گرفتاری کے خلاف ہنگامہ خیز صورت حال پیدا ہونے تک برقرار رہا، جس کے بعد ریاست نے ایک سرخ لکیر کھینچ دی — تحمل اور غیر فعال مزاحمت سے آگے بڑھ کر پی ٹی آئی اور اس کے میڈیا میں ان کے حامیوں کے خلاف بھرپور مہم شروع ہو گئی۔ اس نے بڑے پیمانے پر گرفتاریوں، بعض ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر پابندیوں، اور پی ٹی آئی سے ہمدردی رکھنے والی اہم میڈیا شخصیات کے اغوا کے ساتھ ساتھ سیاسی دباؤ کی ایک نئی لہر کا آغاز کیا، جس سے بہت سے صحافیوں کو زندہ رہنے کے لیے خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

2024 کے انتخابات کی مہم دوران ریاست نے اختلاف رائے کے ساتھ بہت سخت رویہ اختیار کیا، جس کا اختتام ایک سخت کنٹرول شدہ انتخابی عمل پر ہوا جس میں اظہار رائے کی آزادی کا خیال کا بھی گلا گھونٹ دیا گیا۔ 8 فروری 2024 کو، چھ کروڑ پاکستانیوں نے ایک نئی حکومت کے قیام کے لیے اپنا ووٹ کاسٹ کیا، تاہم انہیں صرف بدامنی، گرفتاریاں، اور گہرے ہوتی ہوئی سیاسی تفریق دیکھنے کو ملی۔

ریاست نے عمران خان کے خلاف عدالتی مقدمات کا ایک سلسلہ شروع کیا اور انہیں قید کر دیا، جبکہ پی ٹی آئی کے ارکان کو گرفتاریوں اور حراست کے چکر کا سامنا کرنا پڑا۔

جیسے جیسے سنسر شپ بڑھی، پاکستان کی آزادی اظہار کمزور ہوتی گئی، جو تقریباً ناقابلِ دید چیز میں سکڑتی گئی—ایک پلک جھپکتے کرسر کی چوڑائی سے مشابہہ۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اگر سنسر شپ نے بہت سے لوگوں کے لیے جگہیں سکڑ کر رکھ دی تھیں، تو یہ بعض دیگر کے لیے بیک وقت پھیل گئی یا اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، جس سے ریاست کے مفادات کی خدمت کرنے والوں کے لیے راستے کھل گئے۔ یہ دوغلا پن- بعض کے لیے پابندیاں سخت کرنے جبکہ دیگر کو کھلی چھوٹ دینے کا عمل- ان متضاد طریقوں کو ظاہر کرتا ہے جن میں پاکستان میں آزادی اظہار ایک طرف سکڑی جبکہ دوسری طرف بڑھی۔ اس رپورٹ کی تیاری کے دوران صورت حال یہ تھی کہ پسند و ناپسند کے کریک ڈاؤن نے اپنی رفتار کو برقرار رکھا ہوا تھا، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں قلمبند کیے گئے مشاہدات تلخ حقائق کی مکمل ترجمانی شاید نہ کر سکیں۔

پاکستان کے سابق وزیراعظم عمران خان کی گرفتاری کے خلاف احتجاج پر اُن کے حامی پولیس کی آنسو گیس کے ردِعمل میں پولیس پر پتھراؤ کر رہے ہیں

رپورٹ کا مقصد ان واقعات کا احاطہ کرنا ہے جنہوں نے زیر تحقیق دو سالوں یعنی اپریل 2022 سے اپریل 2024 کے دوران اظہار رائے کی آزادی کے منظر نامے کو نئی شکل دی ہے، جس سے لوگوں کی معلومات لینے و دینے کی صلاحیت متاثر ہوئی ہے۔ رپورٹ کراچی اور اسلام آباد میں اپریل سے جولائی 2024 کے دوران کیے گئے بالمشافہ اور آن لائن تفصیلی انٹرویوز پر مبنی ہے جن میں ہر ممکن حد تک بیٹ رپورٹرز، ملٹی میڈیا صحافی، ٹی وی سروز فراہم کرنے والے نیوز روم کے عملے، اخبارات اور ڈیجیٹل آپریشنز، سوشل میڈیا پر اثر انداز ہونے والے (جن میں سے بہت سے اپنی نیوز روم کی نوکریاں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے)، وکلاء برائے آزادی اظہار رائے، انسانی حقوق سے منسلک سینئر وکیل، انسانی حقوق سے منسلک صحافیوں سے کی آراء لی گئیں۔ میڈیا کارکنوں کے نقطہ نظر کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی جو معروف نہیں ہیں لیکن بڑے پیمانے پر خبریں تخلیق کرنے کی کارروائیوں میں پردے کے پیچھے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ زیادہ تر انٹرویو دینے والوں نے کھل کر بات کی۔ صرف دو جواب دہندگان نے مکمل نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی، دھمکیوں سے ڈرتے ہوئے اور اپنے عہدے کی سنیارٹی کے پیش نظر۔

اظہار رائے کی آزادی کو محض سنسر شپ انڈیکس یا اعداد و شمار سے نہیں ماپا جا سکتا۔ اس رپورٹ کا مقصد کلینیکل بیان سے کچھ زیادہ پیش کرنا ہے۔ یہ خاموشی اور مزاحمت کے

درمیان ایک دائمی جدوجہد میں پھنسے ہوئے ملک کی اصل تصویر پیش کرنے کی سعی ہے۔ آخر کار، یہ کہانی شناخت اور اعتبار کے بحران میں سے ایک ہے جس سے میڈیا انڈسٹری اوراس کے صارفین گزر رہے ہیں، جبکہ پاکستان میں لوگوں کی اپنی زندگی بچانے کے ساتھ ساتھ آزادی سے بات کرنے کی مستقل خواہش کا ثبوت بھی ہے۔

پس منظر

پاکستان کے میڈیا کے لیے اپریل 2022 سے اپریل 2024 تک کے دوران اظہار رائے کی آزادی کلینیکل اعدادوشمار سے ماورا ہوکر ہی ناپی جاسکتی ہے، پھراس کا اندازہ اس کے وزیراعظم اور ملٹری اسٹیبلشمنٹ کے سینئر ممبران کی قسمت سے لگایا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کا حساب کتاب اس کی صحت کے لیے اہم ہے۔ 2022 میں، ایک اہم ریٹائرمنٹ سے اتحاد ثلاثہ تبدیل ہوجاتا ہے: جنرل قمر جاوید باجوہ کی بطور سپہ سالار ریٹائرمنٹ سے۔ اس سے آئی ایس آئی کے نئے سربراہ کے انتخاب، آئندہ انتخابات اور وزیراعظم عمران خان کے مستقبل بڑی تیزی سے تبدیل ہوا؛ اقتدار کی کشمکش میں عدلیہ، میڈیا، بیوروکریسی اور یہاں تک کہ سول سوسائٹی کو بھی داغدار کرنے کی صلاحیت تھی۔

خان کو اپریل 2022 میں وی او این سی کے ذریعے گھر بھیج دیا گیا اور ان کی حکومت تحلیل کر دی گئی۔ اسٹیبلشمنٹ نے تحریک انصاف کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کر دیا۔ صحافی اور یوٹیوبرز جنہوں نے یا تو کھل کر خود کو پی ٹی آئی کے حامی قرار دیا تھا یا صرف اپنی بیان بازی کی وجہ سے حامی سمجھے جاتے تھے، وہ یا تو ملک کو چھوڑ رہے تھے یا ریاست کے شکنجے میں پھنس رہے تھے۔ عمران خان احتجاج کے لیے سڑکوں اور سوشل میڈیا کا سہارا لیا، اس قدر شعلہ انگیز تقریریں کیں (حتیٰ کہ پاکستانی معیار کے مطابق بھی) کہ آخر کار ان کی نشریات پر پابندی لگا دی گئی۔

ایک بے مثال پیش رفت یہ ہوئی کہ انہوں نے کھلے عام اور ثابت قدمی کے ساتھ ملٹری اسٹیبلشمنٹ، حکومت اور یہاں تک کہ امریکہ پر انہیں عہدے سے ہٹانے کی سازش کرنے کا الزام لگایا۔ ان کے خلاف توہین مذہب سے لے کر بدعنوانی تک کے الزامات کے تحت سو سے زائد مقدمات درج تھے۔ انہیں گرفتار کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ دیگر آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں اور جلد ہی انہیں وی او این سی کی وضاحت کے لیے اپنی آراء نشر کرنے کی قیمت ادا کرنی پڑی۔ پی ٹی آئی کے شہباز گل کا انٹرویو اے آر وائی کے پرائم ٹائم ٹاک شو کے میزبان ارشد شریف کے لیے مہنگا ثابت ہوا، جب گل نے مبینہ طور پر براہ راست پروگرام میں ٹیلی ویژن پر فوجی افسران

ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ، چیف جسٹس کے اختیارات میں کمی کے قانون پر پاکستان کی عدالتِ عظمیٰ میں سماعت کو براہ راست دکھایا جا رہا ہے

کو اپنے ادارے کے خلاف بغاوت پر اکسایا۔ شریف پر غداری کا مقدمہ چلایا گیا اور وہ پاکستان سے فرار ہو گئے۔ اکتوبر 2022 میں یہ خبر نشر ہوئی کہ کینیا میں انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ ابھی یہ واقعہ تازہ ہی تھا کہ عمران خان پر قاتلانہ حملہ بھی ہوگیا۔

کچھ ہی عرصہ بعد، جنرل عاصم منیر جنہیں خان نے اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران ڈی جی آئی ایس آئی کے عہدے سے ہٹایا تھا، نئے سی او اے ایس بن گئے حالانکہ خان کی پارٹی کی جانب سے جنرل عاصم کف پیشرو کو ایک اور توسیع کی حمایت کرنے کی متعدد پیشکشیں، وہی شخص جس پر انہوں نے چند ماہ قبل اپنی حکومت کو گرانے کا الزام لگایا تھا، جنرل باجوہ۔ پی ٹی آئی کے چیئرمین کو 2023 میں متعدد بار گرفتار کیا گیا، چھوڑا گیا اور دوبارہ گرفتار کیا گیا لیکن یہ 9 مئی 2023 کو پہلی گرفتاری تھی جس نے ایسے فسادات کو جنم دیا جو پاکستان نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ریاست نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس (سابقہ ٹویٹر) پر پابندی لگا دی اور انٹرنیٹ کو پہلے غیر سرکاری اور پھر سرکاری طور پر بند کر دیا۔ بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں، جیسا کہ حراست، اغوا، فرسٹ انفارمیشن رپورٹس (ایف آئی آر) اور صحافیوں پر حملے ہوئے۔ اگست تک عمران خان سلاخوں کے پیچھے تھے۔

جلد ہی، سپریم کورٹ کے جج، قاضی فائز عیسیٰ، جنہیں چند ماہ قبل مالی بدعنوانی کے غیر مصدقہ الزامات پر خان کی حکومت کی جانب سے ذلت آمیز سلوک کا نشانہ بنایا گیا تھا، نے چیف جسٹس آف پاکستان کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ 8 فروری کو ہونے والے عام انتخابات تک اور اس کے بعد بھی پی ٹی آئی پر دباؤ جاری رہا، جس کے فوراً بعد دھاندلی کے الزامات پر بڑے پیمانے پر احتجاج شروع ہوا۔ راولپنڈی کے ایک سینئر بیوروکریٹ کا انتخابی نتائج میں ردوبدل کے دباؤ پر بطور احتجاج استعفیٰ مزید غم و غصے کا سبب بنا۔ اسی دن ایکس نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ حکومت کو بندش کے بارے میں صفائی پیش کرنے میں ایک مہینہ لگا۔

ان واقعات کی شدت کو دیکھتے ہوئے، ایسا لگتا ہے کہ سنسرشپ ایک 'مجرد عمل کے بجائے ایک مستقل سماجی حقیقت' بن گئی ہے۔ زیر تحقیق ان دو سالوں میں بائیس صحافیوں کو گولی ماری گئی، قتل کیا گیا، غیر قانونی طور پر حراست میں لیا گیا اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا، یا وہ حملوں سے بچ گئے (اگرچہ مختلف وجوہات کے باعث)، اور نیوز روم کے باہر کام کرنے والوں یا گوریلا صحافیوں کو دھمکیاں دی گئیں اور اٹھا لیا گیا۔ اس کے بعد کی سخت قانون سازی میڈیا پر ریاست کا کھلا اور خفیہ دباؤ انٹرنیٹ فائر وال کی گفتگو کے ساتھ اپنے عروج پر پہنچا۔

مفلوج کر دینے والی سنسرشپ کے باوجود، ستمبر 2023 میں نئے تعینات ہونے والے چیف جسٹس کا سپریم کورٹ کی کارروائی کو براہ راست نشر کرنے کا فیصلہ ریاست کے اعلیٰ ترین ستون پر معلومات کے معیار اور شفافیت پر واضح اثر ڈالے گا۔ مثال کے طور پر، عدالتی رپورٹر حسنات ملک کا کہنا ہے کہ انہیں لگتا ہے کہ براہ راست نشریات نے ان کی رپورٹنگ کی درستگی میں اضافہ کیا ہے۔ اس نے بظاہر عدالت کے نامہ نگاروں کے لیے سامعین کی قدر اور احترام میں بھی اضافہ کیا ہے کیونکہ ہر کوئی کارروائی کو نہیں سمجھ سکتا۔

رمشا جہانگیر سنسرشپ پر قومی گفتگو کو مرکزی دھارے میں لانے کا کریڈٹ پی ٹی آئی کو دیتی ہیں۔ 'مجموعی طور پر، رجحانات ایک جیسے ہیں: صحافیوں کو نشانہ بنانے کے قوانین، سخت نگرانی کی حکمت عملی، مربوط حملے،' وہ کہتی ہیں۔ 'جو چیز منفرد ہے وہ یہ ہے کہ پی ٹی آئی نے مزاحمت اور بیداری پیدا کرنے کے لیے سنسرشپ کا رخ موڑ دیا' اور یہ کہ جتنی زیادہ سنسرشپ بڑھی ہے، پاکستان میں اتنے ہی زیادہ لوگ اس کے بارے میں جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ کہاں سے آ رہی ہے۔

ایچ آر سی پی کی رپورٹ سخت سزائیں
اظہار کی آزادی کی صورت حال (2022-2024)
سے اقتباسات

پیکا ترمیم اور اظہارِ رائے پر پابندیاں: ’اب حکومت جج جیوری اور جلاد ہے‘

اسامہ خلجی

اس وقت جب پاکستان کو بغور جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ وہ انٹرنیٹ کا انتظام کیسے درست کرتا ہے، ہماری حکومت سائبر کرائم قوانین میں بڑی تبدیلیوں کا مشورہ دے رہی ہے۔ ان تبدیلیوں میں چار نئی تنظیموں کا قیام اور آن لائن نقصان کی غیر واضح تشریح اور وسیع تعریفیں شامل کرنا شامل ہیں۔ ان نئے قوانین کے مطابق لوگوں کو ’جھوٹی یا جعلی معلومات‘ شیئر کرنے پر تین سال تک قید کی سزا ہو سکتی ہے۔

یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ پیکا ترمیم کو عوام کی نمائندگی کرنے والوں سے مشورہ کیے بغیر منظور کر لیا گیا ہے۔ قوانین اور پالیسیاں بنانا ایک ایسا عمل ہونا چاہیے جہاں ہر کسی کی رائے ہو، بشمول وہ لوگ جو براہ راست ان قوانین سے متاثر ہوں گے جیسے متعلقہ شعبے کے ماہرین، متاثر ہونے والے میڈیا ورکرز اور نوجوان جو سب سے زیادہ انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں۔ یہ ترمیم بنیادی طور پر انٹرنیٹ سے متعلق ان تمام غیر قانونی کارروائیوں کو قانون کے دائرے میں لاتی ہیں جو 2016ء میں مسلم لیگ (ن) کی حکومت کی جانب سے سائبر کرائم قانون (پیکا) متعارف کروائے جانے کے بعد سے کی گئی ہیں۔ حکومت کے ان اقدامات کو پہلے غیر قانونی سمجھا جاتا تھا۔

سب سے پہلے یہ ترمیم ’شکایت کنندہ‘ کی تعریف کو وسیع کرتی ہے جس میں نہ صرف براہ راست متاثر ہونے والے فرد کو شامل کیا جاتا ہے بلکہ ہر وہ شخص شامل ہوگا جو یہ مانتا ہے کہ جرم ہوا ہے۔ اس نے نہ صرف ’افراد بلکہ تنظیموں اور سرکاری اداروں‘ کو بھی شکایت کنندہ کی تعریف میں شامل کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اب، گروپ اور حکومت دونوں اس قانون کو لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ دوسرا نکتہ، اس ترمیم کے تحت ’جھوٹی یا جعلی معلومات‘ شیئر کرنا جرم ہے۔ ’اگر کوئی جان بوجھ کر ایسی معلومات پھیلاتا ہے جو کہ غلط ہے اور وہ معاشرے میں خوف یا بدامنی کا باعث بن سکتا ہے تو ایسے شخص کو تین سال تک قید، 20 لاکھ روپے تک جرمانہ یا دونوں سزائیں ہو سکتی ہیں۔ اظہارِ رائے کے لیے یہ سزا سخت تشویشناک ہے کیونکہ اس کی تعریف مبہم ہے اور آسانی سے اس کا غلط استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حکومت کے پاس اب یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا کہ وہ تعین کرے کہ سچ کیا ہے اور ان لوگوں کو سزا دی جائے گی جو اس کے خیال میں جھوٹ پھیلا رہے ہیں۔ یہ پاکستان کے بین الاقوامی وعدوں، خاص طور پر بین الاقوامی معاہدہ برائے شہری اور سیاسی حقوق (آئی سی سی پی آر) کے خلاف ہے جو آزادی اظہار کے بارے میں اصول طے کرتا ہے جس کے آرٹیکل 19 میں قوانین واضح، ضروری اور منصفانہ بنانے کی ضرورت پر زور ڈالا گیا ہے۔

اس ترمیم کا تیسرا نکتہ یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر جو کچھ ہوگا، اس پر حکومت کا تقریباً مکمل کنٹرول ہوگا یعنی حکومت جج، جیوری اور جلاد بن چکی ہے۔ اس کا بہت کم احتساب یا جانچ پڑتال ہوگی جو کہ جمہوری نظام میں انتہائی اہم ہوتی ہے۔ اس ترمیم سے چار نئے اداروں کا قیام عمل میں آئے گا جن میں سے ایک سوشل میڈیا پروٹیکشن اینڈ ریگولیٹری اتھارٹی ہے۔

یہ نیا ادارہ ممکنہ طور پر انٹرنیٹ کے مواد کو کنٹرول کرنے میں پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) کی ذمہ داری نبھائے گی اور اسے بغیر کسی سوال کے حکومتی ہدایات پر عمل کرنے کی ضرورت ہوگی۔ جبکہ پی ٹی اے کا مقصد خودمختار ہونا تھا اور وہ یہ انتخاب کر سکتا تھا کہ آیا حکومتی احکامات پر عمل کرنا ہے یا نہیں لیکن نئی اتھارٹی صرف حکومتی احکامات پر عمل کرے گی۔ پی ٹی اے نے عدالت میں یہ دلیل تک دی کہ اسے وزارت داخلہ نے ایکس کو بلاک کرنے کا حکم دیا تھا حالانکہ قانون کہتا ہے کہ اسے خود ایکس بلاک کرنے یا نہ کرنے کا کا فیصلہ کرنا تھا۔ تاہم اس نئی اتھارٹی کے چیئرپرسن کا تقرر براہ راست وفاقی حکومت کرے گی۔

پیکا کی خلاف ورزیوں کے حوالے سے عوام کی شکایات جمع کرنے کے لیے ایک نئی سوشل میڈیا کمپلینٹ کونسل بنائی جائے گی۔ اس کے علاوہ ایک سوشل میڈیا پروٹیکشن ٹریبونل نئی اتھارٹی کے فیصلوں سے متعلق اپیلوں کو سنبھالے گا۔ تاہم ہائی کورٹس میں معمول کے مطابق اپیلیں کرنے کے بجائے براہ راست سپریم کورٹ میں اپیل کی جا سکتی ہیں۔

یہ پاکستان کے آئین (آرٹیکل 10) کے تحت منصفانہ ٹرائل اور مناسب عمل کے حق کے خلاف ہے۔ ٹریبونل ہائی کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج، ایک سافٹ ویئر انجینئر اور ایک صحافی پر مشتمل ہوگا۔ قانونی مسائل کی پیچیدگی کے پیش نظر، ان فیصلوں کو ایسی کونسل پر چھوڑنا غیر منصفانہ ہے جبکہ پہلے ہائی کورٹس میں اپیل کرنے کا حق برقرار رہنا چاہیے۔ اس کے علاوہ ترمیم وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (ایف آئی اے) کے سائبر کرائم ونگ کا کردار سنبھالنے کے لیے ایک نیشنل سائبر کرائم انویسٹی گیشن اتھارٹی تشکیل عمل میں آئے گی۔ یہ 2016ء میں پیکا کی منظوری کے 9 سال بعد ہوا ہے کہ جب موجودہ ادارے توقعات پر پورا نہیں اترے۔ اب نئے اداروں کی تشکیل ترقی کے عمل کو سست کر سکتی ہے اور قانون کے تحت سائبر کرائم سے نمٹنے میں نظام کو کم مؤثر بنا سکتی ہے۔

چوتھا نکتہ یہ کہ ترمیم اتھارٹی کو یہ فیصلہ کرنے کا زیادہ اختیار دیتی ہے کہ کون سا مواد، غیر قانونی شمار ہوتا ہے کون سا نہیں۔ اس حوالے سے 9 نئے زمرے شامل کیے گئے ہیں جو پیکا کے اصل قانون کے سیکشن 37 میں درج تھے۔ ان میں سے ایک زمرے میں ایسا مواد شامل ہے جو عدلیہ، فوج، پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلیوں کے ارکان جیسے افراد پر تشدد کا اظہار کرتا ہے۔ اس سے اتھارٹی کی جانب سے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر متعدد رپورٹس کی جا سکتی ہیں جن میں ان شہریوں کو نشانہ بنایا جا سکتا ہے جو محض سرکاری اہلکاروں کا احتساب مانگتے ہیں کیونکہ انہیں ٹیکس دہندگان اور ووٹر کی حیثیت سے حساب مانگنے کا حق حاصل ہے۔

اس ترمیم میں سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو اتھارٹی کے ساتھ رجسٹر کرنے کی بھی ضرورت ہے یعنی انہیں پاکستان میں مقامی طور پر کام کرنا چاہیے۔ اگر وہ اتھارٹی کے سینسرشپ کے مطالبات پر عمل نہیں کرتے ہیں تو اتھارٹی پلیٹ فارم کو مکمل طور پر بلاک کر سکتی ہے۔

سب سے پہلے، یہ ترمیم بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کرتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح پاکستان تحریک انصاف کی حکومت کا 2021ء میں منظور کیا گیا پیکا آرڈیننس جسے اسلام آباد ہائی کورٹ نے اپریل 2022ء میں کالعدم قرار دیا تھا۔ آزادی اظہار اور صحافت کی آزادی کے حق کو اتنا محدود نہیں ہونا چاہیے کہ جہاں صحافیوں کو اس صورت میں تین سال تک قید کا سامنا کرنا پڑے کہ حکومت نے ان کی رپورٹنگ یا کسی عام شہری کی سوشل میڈیا پوسٹ کو ’جھوٹ‘ قرار دے کر رد کر دیا ہو۔

یہ ٹریبونل کے فیصلوں کی اپیلوں کو پہلے ہائی کورٹس کی طرف سے نظرثانی کی اجازت دینے کے بجائے صرف سپریم کورٹ تک محدود کر کے مناسب عمل اور منصفانہ ٹرائل کے حقوق کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ مزید یہ کہ حقوق میں مزید کمی سنگین بین الاقوامی نتائج کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ آئی سی سی پی آر کی خلاف ورزی کرتا ہے اور پاکستان کی جی ایس پی پلس حیثیت کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ یہ درجہ پاکستان کو یورپی یونین سے تجارتی فوائد حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے جو انسانی حقوق کے تحفظ میں ملک کی کارکردگی پر مبنی ہیں۔ اگر پاکستان ان معیارات پر پورا نہیں اترتا تو وہ ان تجارتی مراعات سے محروم ہو سکتا ہے۔

تیسرا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے انٹرنیٹ کا ماحول مزید تنگ ہو جائے گا جس سے معاشی نقصانات بڑھ جائیں گے۔ پاکستان کو پہلے ہی برین ڈرین کا سامنا ہے۔ بہت سے ہنرمند پیشہ ور افراد ملک چھوڑ رہے ہیں۔ انٹرنیٹ سینسرشپ، نگرانی، اور فائر وال کی وجہ سے سست روی جیسے مسائل کی وجہ سے یہ مسئلہ مزید خراب ہو گیا ہے۔ یہ مسائل عوام کے لیے آن لائن کام کرنا اور اختراعات کا عمل مشکل بنا دیتے ہیں۔ کوئی بھی منصفانہ اور آزاد عدالت ممکنہ طور پر ایسے سخت قوانین کو مسترد کر دے گی کیونکہ یہ جمہوری آئینی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ اس سے نوجوانوں کے مفادات کو بھی نقصان پہنچتا ہے جنہیں عالمی سطح پر بڑھنے، سیکھنے اور مقابلہ کرنے کے لیے مفت اور تیز انٹرنیٹ کی ضرورت ہے۔

2024 میں انسانی حقوق کی صورت حال کا خلاصہ

فروری 2024 میں پاکستان کے عام انتخابات کے بعد وزیر اعظم شہباز شریف کی زیر قیادت برسرِ اقتدار آنے والی حکومت نے آزادیِ اظہارِ رائے اور سول سوسائٹی کے خلاف پچھلی حکومت کے کریک ڈاؤن کو جاری رکھا۔ مذہبی اقلیتوں کے خلاف توہین مذہب سے متعلق تشدد، جو کہ حکومتی ظلم و ستم اور امتیازی قوانین کی وجہ سے پروان چڑھا، شدت اختیار کر گیا۔ اسلامی عسکریت پسندوں کے حملوں، قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں اور مذہبی اقلیتوں کو نشانہ بنانے کے واقعات میں اضافہ ہوا، جس کی وجہ سے 2024 میں درجنوں افراد ہلاک ہوئے اور پاکستانی حکام کو افغان پناہ گزینوں کو بے دخل کرنے کی مہم جاری رکھنے کا بہانہ میسر ہوا۔

13 اکتوبر 2024۔ کراچی، پاکستان میں جھڑپوں کے دوران تحریک لبیک پاکستان پارٹی کے مبینہ حامیوں نے پولیس کی ایک گاڑی کو آگ لگائی

آزادیِ اظہار اور سول سوسائٹی پر حملے

حکام کے وسیع پیمانے پر آزادیِ اظہار اور انجمن سازی کے خلاف پابندیوں نے فروری کے انتخابات کو متاثر کیا۔ ایکس جیسے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو سارا سال وقفے وقفے سے بلاک کیا گیا۔ حکومت نے حزبِ اختلاف کی جماعتوں اور ذرائع ابلاغ کے خلاف کریک ڈاؤن کیا، جس میں سینکڑوں کارکنوں کو حراست میں لیا، کچھ کو پُرتشدد کارروائیوں کے الزام میں، جبکہ صحافیوں کو حکومت پر تنقید کے الزام میں ہراسانی اور ڈیجیٹل وجسمانی نگرانی کا سامنا کرنا پڑا۔ حکومتی دھمکیوں اور حملوں نے صحافیوں اور سول سوسائٹی کے حلقوں میں خوف وہراس کا ماحول پیدا کیا، جس سے بہت سے لوگوں نے خودساختہ سنسرشپ کی طرف رجوع کیا۔

صحافیوں کی حفاظتی کمیٹی کے مطابق، پاکستان میں 2024 میں کم از کم سات صحافی مارے گئے، جن میں سے کچھ مبینہ طور پر عسکریت پسند گروپوں کے ہاتھوں جبکہ دیگر لوگ جبری گمشدگی کا شکار ہوئے تھے، جن میں سید فرہاد علی شاہ بھی شامل تھے، جن کو مئی میں ان کے گھر سے اغوا کیا گیا۔ حکام نے تنقیدی رپورٹنگ کرنے پر صحافیوں کو حراست میں لیا۔ فروری میں، پاکستان کی وفاقی تحقیقاتی ایجنسی نے ڈیجیٹل صحافی اسد علی طور کو عدالتِ عظمیٰ کے ججز کے خلاف مبینہ "مہم" چلانے کے الزام میں گرفتار کیا جب طور نے چیف جسٹس اور پاکستان کی عسکری قیادت کے متعلق رپورٹنگ کی تھی۔

جون میں پنجاب کی صوبائی حکومت نے ایک غیر واضح اور حد سے زیادہ وسیع ہتک عزت کا قانون لاگو کیا، جسے ذرائع ابلاغ اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے ذرائع ابلاغ کی آزادی کے لیے خطرہ قرار دیتے ہوئے شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ قانون، جو سوشل میڈیا پوسٹوں کے ساتھ ساتھ روایتی ذرائع ابلاغ پر بھی لاگو ہوتا ہے، مدعی کو 'حقیقی نقصان یا نقصان کے ٹھوس شواہد کے بغیر' قانونی چارہ جوئی کرنے کی اجازت دیتا ہے، اور آزادانہ عدالتوں یا باضابطہ قانونی کارروائی کے عمل تک رسائی کے بغیر سخت سزاؤں کا حکم دیتا ہے۔

حکام نے کئی سیاست دانوں اور صحافیوں پر پاکستان کے نوآبادیاتی دور کے بہت زیادہ وسیع بغاوت کے قانون کے تحت مقدمے درج کیے، اور بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عام شہریوں پر فوجی عدالتوں میں مقدمہ چلایا گیا۔ این جی اوز نے حکومتی حکام کی طرف سے مختلف گروہوں کو دھمکیوں، ہراسانی اور نگرانی کی اطلاعات دیں۔ حکومت نے پاکستان میں آئی این جی اوز کے ضابطے کو بین الاقوامی انسانیت دوست اور انسانی حقوق کے اداروں کی رجسٹریشن اور کام میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے استعمال کیا۔

مذہب اور عقیدے کی آزادی

پاکستانی حکام نے توہینِ مذہب کے قانون کی دفعات نافذ کیں جس سے مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد کا جواز فراہم ہوا اور انہیں من مانی گرفتاری اور مقدمے کے خطرے سے دوچار کیا۔ "توہین مذہب" کے مبینہ الزام میں ہجوم اور قانون ہاتھ میں لینے کی ذہنیت رکھنے والے لوگوں کے حملوں میں چار افراد ہلاک ہوئے۔ حکومت مجرموں کا محاسبہ کرنے میں ناکام رہی۔

جون میں ایک ہجوم نے 36 سالہ شخص کو توہین مذہب کا الزام لگا کر تشدد کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مقامی پولیس اس شخص کی حفاظت کے لیے کسی قسم کی مداخلت کرنے میں ناکام رہی۔ عمرکوٹ، سندھ اور کوئٹہ میں ستمبر میں پیش آنے والے دو الگ واقعات میں، پولیس نے توہین مذہب کے الزام میں دو افراد کو گولی مار کر ہلاک کیا۔ ستمبر میں عدالت نے ایک مسیحی خاتون شگفتہ کرن کو مبینہ طور پر واٹس ایپ گروپ میں "توہین آمیز" مواد بھیجنے کے جرم میں سزائے موت سنائی۔

احمدی مذہبی برادری کے ارکان توہین مذہب کے قوانین اور مخصوص احمدی مخالف قوانین کے تحت بڑے پیمانے پر مقدمات کا شکار بنتے رہے۔ عسکریت پسند گروہوں اور اسلامی سیاسی جماعت تحریکِ لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) نے احمدیوں پر خود کو "مسلمان ظاہر کرنے" کا الزام لگایا۔ "مسلمان ظاہر کرنے" کو تعزیرات پاکستان بھی ایک مجرمانہ جرم کے طور پر دیکھتا ہے۔ جون میں، ضلع کوٹلی میں تقریباً 150 لوگوں کے ہجوم نے احمدیوں کی عبادت گاہ پر حملہ کیا اور عمارت کو توڑ پھوڑ کر نقصان پہنچایا۔

دہشت گردی، انسدادِ دہشت گردی، اور قانون کے نفاذ کی خلاف ورزی

عسکریت پسند گروہوں بشمول تحریکِ طالبان پاکستان،

صوبہ خراسان کی اسلامی ریاست، القاعدہ، بلوچستان لبریشن آرمی اور ان سے وابستہ افراد نے دورانِ سال سیکیورٹی اہلکاروں پر متعدد خودکش اور دیگر حملے کیے جن میں کم وبیش 757 افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوئے جن میں زیادہ تر عام شہری شامل تھے۔ بلوچستان لبریشن آرمی نے اگست میں صوبہ بلوچستان میں پولیس اسٹیشن، ریلوے لائنز اور شاہراہوں کو نشانہ بناتے ہوئے مربوط حملوں میں کم از کم 74 افراد کو ہلاک کیا۔

پاکستان میں قانون نافذ کرنے والے ادارے انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کے ذمہ دار تھے جن میں بغیر کسی الزام کے حراست اور ماورائے عدالت قتل شامل ہیں۔ جولائی میں حکام نے بلوچ قومی اجتماع کے ردِعمل میں سینکڑوں افراد کو حراست میں لیا۔ یہ مارچ بلوچستان میں انسانی حقوق کے تحفظات سے متعلق بیداری پیدا کرنے کی کوشش تھا۔ اطلاعات کے مطابق، کچھ مظاہرین نے سیکیورٹی اہلکاروں پر حملہ کیا جس میں ایک فوجی ہلاک اور دیگر زخمی ہوئے۔ بلوچ کارکنوں کی طرف سے الزام لگایا گیا کہ حکومتی سیکیورٹی اہلکاروں نے مظاہرین کو مارچ کے آخری مقام گوادر تک پہنچنے سے روکنے کے لیے ضرورت سے زیادہ طاقت کا استعمال کیا۔ حکومتی اہلکاروں نے جولائی میں گوادر میں انٹرنیٹ مکمل طور پر بند کر دیا تھا۔

پناہ گزینوں کے ساتھ بدسلوکی

حکومتی عہدیداروں نے پاکستان میں عسکریت پسند گروہوں کے حملوں میں اضافے کی ذمہ دار افغان پناہ گزینوں کو ٹھہرایا، اور حکام کی جانب سے افغانوں کو جو کئی نسلوں سے پاکستان میں قیام پزیر ہیں، ملک چھوڑنے پر مجبور کرنے کی مسلسل کوششوں کو جائز قرار دیا گیا۔ خاص طور پر غیر دستاویزی افغان اس بدسلوکی کا زیادہ بنے، کیونکہ پاکستانی پولیس اور مقامی اہلکار غیر دستاویزی افغانوں کو دھمکیاں دیتے رہے۔ اگرچہ 2023 کے مقابلے میں ملک بدر کیے جانے والوں کی تعداد میں نمایاں کمی آئی، ستمبر 2024 تک دو لاکھ، بیس ہزار سے زیادہ افغانستان واپس آ چکے تھے، جن میں سے 88 فیصد نے گرفتاری کے خوف کو ملک واپسی کی وجہ قرار دیا۔ جولائی میں پاکستانی حکومت نے چودہ لاکھ، پچاس ہزار سے زائد افغان پناہ گزینوں کے لیے ایک سال کی توسیع کا اعلان کیا جن کے پاس تصدیق شدہ یو این ایچ سی ار کے جاری کردہ کارڈ تھے، تاہم سرکاری عہدیداروں نے باقی ماندہ 20 لاکھ غیر دستاویزی افغان مہاجرین کو ملک بدر کرنے کا فیصلہ برقرار رکھا۔ اس کے علاوہ پاکستان میں مقیم افغانیوں کو روزگار اور حصولِ تعلیم تک رسائی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

معاشی انصاف اور حقوق

پاکستان کے معاشی بحران نیز بت، مہنگائی اور بے روزگاری میں اضافے کے ساتھ ساتھ صحت، خوراک، اور لاکھوں لوگوں کے لیے مناسب معیارِ زندگی کے حقوق کو خطرے سے دوچار کیا۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ پروگرام کو کفایت شعاری کے متعدد اقدامات سے مشروط کیا گیا جس میں مناسب معاوضہ کے اقدامات کے بغیر سبسڈی کو ختم کرنا بھی شامل ہے جس کے نتیجے میں کم آمدنی والے طبقوں کے لیے مزید مشکلات پیدا ہوئیں۔ نوآبادیاتی دور کے قوانین، جیسے کہ حصولِ اراضی کا قانون 1894، کا استعمال کم آمدنی والے طبقات کو بے دخل کرنے کے لیے جاری رہا۔ اپریل میں، عدالتِ عظمیٰ نے کراچی میں سڑکوں کو صاف کرنے کے لیے ''تجاوزات'' ختم کرنے کا حکم دیا، اس طرح کے احکامات کم آمدنی والے طبقات کی بڑے پیمانے پر نقل مکانی کا موجب بنے۔

خواتین اور لڑکیوں پر تشدد

خواتین اور لڑکیوں پر تشدد، جس میں جنسی زیادتی، قتل، تیزاب کے حملے، گھریلو تشدد، تعلیم کی فراہمی سے انکار، کام کے مقامات پر جنسی ہراسانی، اور بچوں کی زبردستی شادی پاکستان بھر میں ایک سنگین مسئلہ ہے، اور حکومت نے ردِعمل میں مؤثر اقدامات نہیں کیے۔ انسانی حقوق کے دفاع کاروں کا اندازہ ہے کہ ہر سال تقریباً 1,000 خواتین کو "غیرت کے نام پر قتل" کیا جاتا ہے۔

اگرچہ پاکستان کو خواتین پر تشدد کے قابلِ اعتماد اعداد و شمار کا مسئلہ درپیش ہے، تاہم، پاکستان میں خواتین کے عدم تحفظ کو اگست میں ذرائع ابلاغ اطلاعات نے اجاگر کیا جن میں بتایا گیا کہ پنجاب کے صرف ایک ضلع منڈی بہاؤالدین میں یکم جولائی سے 24 جولائی کے دوران ایک مہینے سے بھی کم عرصے میں اغوا اور جنسی تشدد کے 46 واقعات رپورٹ ہوئے۔

اقوام متحدہ کے عالمی ادارہ برائے اطفال (یونیسیف) کا اندازہ ہے کہ ملک کی ایک کروڑ، نواسی لاکھ خواتین اور لڑکیوں کی شادی 18 سال سے کم عمر میں ہوئی، جن میں چھیالیس لاکھ بچیوں کی شادی 15 سال سے کم عمر میں ہوئی۔ 2023 میں یونیسیف کی رپورٹ کے مطابق 18 , فیصد لڑکیوں اور 5 فیصد لڑکوں کی شادی اٹھارہ سال سے کم عمر میں ہوئی۔ شادی شدہ لڑکیوں کو اکثر حمل کے لیے مجبور کیا جاتا ہے جو کہ لڑکی کی کم عمری اور حمل کے درمیان مناسب وقفے کی کمی کی وجہ سے خطرناک ہوتا ہے۔ مذہبی اقلیتی برادریوں کی خواتین خاص طور پر جبری شادی کا شکار ہیں۔

پاکستان کے معاشی بحران نیز بت، مہنگائی اور بے روزگاری میں اضافے کے ساتھ ساتھ صحت، خوراک، اور لاکھوں لوگوں کے لیے مناسب معیارِ زندگی کے حقوق کو خطرے سے دوچار کیا۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ پروگرام کو کفایت شعاری کے متعدد اقدامات سے مشروط کیا گیا جس میں مناسب معاوضہ کے اقدامات کے بغیر سبسڈی کو ختم کرنا بھی شامل ہے جس کے نتیجے میں کم آمدنی والے طبقوں کے لیے مزید مشکلات پیدا ہوئیں۔ نوآبادیاتی دور کے قوانین، جیسے کہ حصولِ اراضی کا قانون 1894، کا استعمال کم آمدنی والے طبقات کو بے دخل کرنے کے لیے جاری رہا۔

بچوں کے حقوق

پرائمری سکول کی عمر کے ساٹھ لاکھ سے زائد بچے اور سیکنڈری سکول کی عمر کے ایک کروڑ تیس لاکھ بچے اسکول سے باہر تھے، جن میں زیادہ تر لڑکیاں تھیں۔ ہیومن رائٹس واچ کو معلوم ہوا کہ لڑکیاں سکولوں کی کمی، پڑھائی سے منسلک اخراجات، بچوں کی شادی، خطرات سے دوچار چائلڈ لیبر، اور صنفی امتیاز جیسی وجوہات کی بناء پر سکول نہیں جا پاتیں۔ ممنوعہ کوششوں کے باوجود بچوں کو گھریلو ملازم کے طور پر کام پر رکھنے کا عمل برقرار ہے۔

بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی اب بھی عام ہے۔ بچوں کے حقوق کی تنظیم ساحل نے رپورٹ کیا کہ 2024 کے پہلے چھ ماہ میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے 862، اغوا کے 668، لاپتہ بچوں کے 82، اور بچوں کی شادی کے 18 واقعات رپورٹ ہوئے۔

جنسی رجحان اور جنسی شناخت

پاکستان کے ضابطہ فوجداری کے تحت، مردوں کے درمیان جنسی تعلق ایک مجرمانہ فعل ہے، جس کی وجہ سے ہم جنس پرست مرد اور خواجہ سرا خواتین پولیس کی بدسلوکی اور تشدد و امتیاز کی دیگر اقسام کا زیادہ نشانہ بن سکتے ہیں۔

خواجہ سرا خواتین کو تشدد کا نشانہ بنانے کا سلسلہ جاری ہے۔ ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق، صوبہ خیبر پختونخوا میں گزشتہ پانچ سالوں میں خواجہ سرا افراد کے خلاف تشدد کے 267 مقدمات درج ہوئے جن میں سے صرف ایک مقدمے میں سزا سنائی گئی۔ خیبر پختونخوا میں 2024 میں کم از کم سات خواجہ سرا خواتین کو قتل کیا گیا۔

(بشکریہ ہیومن رائٹس واچ)

موسمیاتی تبدیلی سے نمٹنے میں پاکستانی عدلیہ کیا کردار ادا کرسکتی ہے؟

احمد رافع عالم

موسمیاتی بحران بدتر ہونے اور انسانی بقا کو خطرات کے باعث عدالتوں کی ذمہ داریاں بھی بڑھ چکی ہیں، جن پر اب موسمیاتی بحران سے نمٹنے کی بڑی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔

صنعتی انقلاب آنے کے بعد انسان کی خارج کردہ گرین ہاؤس گیسز نے عالمی درجہ حرارت کو جس قدر متاثر کیا ہے اس کی ماضی میں ہمیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ 1850ء کی دہائی میں موسم کی نگرانی کرنے کے عمل کے آغاز کے بعد سے 2023ء گرم ترین سال ریکارڈ کیا گیا جو کہ ہمارے کرہ ارض کے نظام کے عدم استحکام کی گواہی دیتا ہے۔

11 ہزار سال پہلے زمین کا توازن آئس ایج کے بعد قائم ہوا تھا جس نے انسانوں کے لیے رہائش کی بنیاد ڈالی۔ قدرت کے اس توازن کی وجہ سے انسانوں نے پہیے ایجاد کیے، بھیڑوں اور بھینسے جیسے مویشی پالے اور فصلیں اگائیں جنہوں نے انہیں ایک سویلائزیشن میں تبدیل کیا۔

لیکن اب یہ توازن خراب ہو چکا ہے۔

موسمیاتی تبدیلی نے اسی ایکوسسٹم کو نقصان پہنچایا ہے جس کی وجہ سے انسان نے ترقی کی۔ ہمارا سیارہ اب اس قابل نہیں کہ ہمارے پاس موجود وسائل کے استعمال کو برداشت کرپائے اور نہ ہی یہ اس مستحکم آب و ہوا کو برقرار رکھ سکتا ہے جو ایک فعال معاشرے کے لیے ضروری ہے۔ آب و ہوا کا بحران صرف حل طلب مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسانوں نے زمین کے بہت سے وسائل ضرورت سے زیادہ استعمال کیے ہیں۔

موسم متاثر ہوتا ہے تو سب متاثر ہوتے ہیں

موسمیاتی بحران کے نتائج ہمیں اپنے اردگرد نظر آتے ہیں۔ اکتوبر میں اسپین کے شہر ویلنسیا میں تباہ کن سیلاب آیا جبکہ 2024ء کے موسم گرما میں ہیٹ ویوز نے جنوبی ایشیا میں ہزاروں انسانوں کی جانیں لیں جن میں ایک ہزار عازمین حج بھی شامل تھے۔

پاکستان میں ہم روز ہی خود کو بحران کی زد میں پاتے ہیں۔ شدید بارشیں اور سیلاب، قحط سالی، ہیٹ ویوز اور زہریلی آلودہ فضا (پنجاب کی اسموگ) نے دیہی اور شہری علاقوں میں زندگی کی جدوجہد کو مشکل بنا دیا ہے۔

پاکستان میں موسمیاتی بحران کو مزید خراب یہاں کی ناقص گورننس نے کیا ہے۔ 2022ء میں تاریخی سیلابوں نے لاکھوں افراد کو بے گھر کیا جبکہ 45 کروڑ ڈالرز فائٹر جیٹ پر خرچ کیے گئے۔ پنجاب میں شہری آبادی گاڑیوں سے اٹھنے والے دھویں اور بھاری ٹریفک سے پریشان ہے جبکہ خاص سڑکیں بنانے پر بہت پیسہ خرچ کیا گیا تاکہ بڑے رہائشی علاقوں تک سفر کرنا آسان ہوسکے۔ اسی دوران کراچی کو جون میں خطرناک ہیٹ ویو کا سامنا کرنا پڑا جس کے باعث 500 سے زائد اموات ہوئیں جبکہ دوسری جانب سندھ میں سرکاری بیوروکریٹس اربوں روپے کی لگژری ایس یو وی خریدنے کے لیے مہنگے سودے کرنے میں مصروف تھے۔

ایک طرف جہاں بہت سے لوگ خوراک کے حصول کے لیے جدوجہد کررہے ہیں اور دیہی علاقوں میں روزگار مشکلات کا شکار ہے وہیں دوسری جانب سندھ اور پنجاب میں لاکھوں ایکڑ اراضی کاشتکاری کے لیے بڑی کمپنیز کو دی گئی ہے۔

یہ منصوبہ پاکستان کی موسمیاتی پالیسیز، غذائی تحفظ کے منصوبوں، یا پائیدار ترقی کے اہداف کا حصہ نہیں ہے۔ موسمیاتی بحران صرف گرین ہاؤس گیسز کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا ہے۔ یہ ناقص فیصلوں اور غلط ترجیحات کی وجہ سے بدتر ہوا ہے جس سے ملک کو ماحولیاتی تباہی کے قریب دھکیل دیا گیا ہے۔

موسمیاتی انصاف کے محافظ

ایسا لگتا ہے کہ عدالتیں صرف قوانین کی تشریح کرنے اور اختلافات کو حل کرنے کے لیے موجود ہیں۔ تاہم جیسے جیسے موسمیاتی بحران بدتر ہوتا جاتا ہے اور بنیادی حقوق اور انسانی بقا کو خطرات لاحق ہوتے ہیں، عدالتوں کی ذمہ داریاں بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ اب ان پر اپنے روایتی فرائض سے آگے بڑھ کر موسمیاتی بحران سے نمٹنے کی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

یہ تبدیلی لاہور ہائی کورٹ میں اصغر لغاری کے کیس میں واضح دکھائی دی۔ 2016ء میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے ایک وکیل اور کسان اصغر لغاری نے موسمیاتی تبدیلی پر کارروائی نہ کرنے پر حکومت کے خلاف درخواست دائر کی تھی۔ انہوں نے عدالت سے مطالبہ کیا کہ وفاقی حکومت موسمیاتی تبدیلیوں سے نمٹنے کے لیے اپنے 2014ء کے منصوبے پر عمل درآمد کرے۔

2018ء کے فیصلے میں لاہور ہائی کورٹ نے کہا کہ موسمیاتی تبدیلی کا شمار اُن سب سے بڑے چیلنجز میں ہوتا ہے جن کا ہمیں آج سامنا ہے۔ اس نے زمین کی آب و ہوا میں بڑی تبدیلیاں رونما کی ہیں۔ پاکستان کے لیے یہ تبدیلیاں بنیادی طور پر شدید سیلاب اور خشک سالی کا باعث بنی ہیں جس کے نتیجے میں ملک کے پانی اور غذائی تحفظ کے بارے میں سنگین خدشات پیدا ہوئے ہیں۔

عدالت نے یہ بھی نوٹ کیا کہ یہ موسمیاتی رکاوٹیں معاشرے کے سب سے زیادہ کمزور طبقے کو متاثر کرتی ہیں۔ عدالت نے زور دیا کہ بنیادی حقوق کا تحفظ ان کا آئینی فریضہ ہے۔ عدالت نے سخت ریمارکس دیے کہ، ’یہ مطالبہ پاکستان کے لوگوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے ہے اور اس کا ازالہ صرف موسمیاتی انصاف کے ذریعے کیا جاسکتا ہے‘۔

اصغر لغاری کے فیصلے کے بعد سے پاکستانی ہائی کورٹس اور سپریم کورٹس (ایس سی) دونوں نے مقدمات میں موسمیاتی انصاف کے خیال کا تواتر سے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ حکومت کی ناکامیوں اور ماحولیاتی نقصانات کا انسانی حقوق کے تحفظ سے گہرا تعلق ہے۔

سیمنٹ مینوفیکچرنگ کمپنیز طاقتور اور سیاسی اثر و رسوخ رکھنے کی وجہ سے مشہور ہیں۔ تاہم 2019ء میں عدالت نے ان کی طاقت کو مضبوط طریقے سے چیلنج کیا۔

یہ کیس 2018ء میں اس وقت شروع ہوا جب پنجاب میں ایک سیمنٹ کمپنی چکوال اور خوشاب اضلاع میں ایک پلانٹ لگانا چاہتی تھی جبکہ ان علاقوں کو صنعتوں کے شعبے نے ’منفی زون‘ قرار دیا تھا۔ سیمنٹ کمپنی نے زوننگ کے قوانین کو چیلنج کیا اور پاکستان کی اعلیٰ ترین عدالت نے کیس کی سماعت کی۔ عدالت نے چیلنج کو مسترد کرتے ہوئے ایک اہم عنصر پر روشنی ڈالی جسے نظرانداز کیا گیا تھا اور وہ تھا آب و ہوا کی کمزوری۔

سالٹ رینج جہاں پلانٹ لگانے کی منصوبہ بندی کی گئی تھی، پہلے ہی زیادہ درجہ حرارت اور زرعی پیداوار میں کمی کا سامنا کررہی ہے۔ عدالت کے فیصلے نے نہ صرف زوننگ کے قوانین کو برقرار رکھا بلکہ ایک اہم مثال بھی قائم کی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انتہائی طاقتور کمپنیز کو بھی ماحولیاتی خدشات کو نظرانداز کرنے کی اجازت نہیں۔

2021ء میں اسلام آباد کے جی 9 سیکٹر میں رہائشی پلاٹوں کو کمرشل پلاٹوں میں تبدیل کرنے سے متعلق ایک اہم کیس میں عدالت نے کہا کہ شہری منصوبہ بندی کے فیصلوں میں موسمیاتی تبدیلی سے موافقت، لچک اور پائیداری لوگوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ عدالت نے کہا کہ موسمیاتی تبدیلی کے سنگین خطرے کے پیش نظر یہ عناصر نہ صرف اہم ہیں بلکہ یہ آئینی تقاضا اور حکومت کی

اہم ذمہ داری بھی ہیں۔

موسمیاتی انصاف کے ایک آئینی ضرورت اور اہم قانونی ذمہ داری کے طور پر تصور نے پاکستان میں قانونی نظام کو تبدیل کر دیا ہے۔ توقع ہے کہ اس تبدیلی کے ملک کے مستقبل کے قانونی فیصلوں پر دیرپا اثرات مرتب ہوں گے۔

کیا ان چھوٹی کوششوں کے لیے بہت دیر ہو چکی ہے؟

ایک اور اہم مثال 2021ء کے آخر میں سامنے آئی جب لاہور ہائی کورٹ نے رئیل اسٹیٹ کی ترقی کے لیے دریائے راوی کے کنارے ایک لاکھ ایکڑ زرخیز زمین حاصل کرنے کے حکومتی منصوبے کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے اس اقدام کو غیر قانونی اور غیر آئینی قرار دیا۔

218 صفحات پر مشتمل تفصیلی فیصلے میں عدالت نے 'عوامی مقصد' کے روایتی خیال پر سوال اٹھاتے ہوئے ایک نیا طریقہ اختیار کیا جو اکثر ایسے منصوبوں کو جواز فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ عدالتوں نے عام طور پر عوامی فائدے کے لیے رہائشی زمین کے حصول کی حمایت کی ہے لیکن اس معاملے نے اس جانب توجہ دلائی کہ اگر ہاؤسنگ پروجیکٹس خوراک کے تحفظ اور موسمیاتی بحران کے سنگین ہونے کا خیال نہیں رکھتے تو کیا یہ پراجیکٹس واقعی عوام کی بھلائی کے لیے کام کر سکتے ہیں؟

فیصلے میں متنبہ کیا گیا کہ اگر فیصلہ سازی میں موسمیاتی اثرات پر غور نہیں کیا گیا تو یہ ایک خطرناک رجحان کا باعث بن سکتا ہے کہ جس میں پنجاب حکومت تمام زرعی اراضی کو رہائشی ترقیاتی منصوبوں میں تبدیل کر سکتی ہے۔ 2022ء کے اوائل میں سپریم کورٹ میں اپیل کی گئی تھی اور عدالت نے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کو عارضی طور پر معطل کر دیا تھا۔ معطلی کے خلاف اپیل زیر التوا ہے اور تین سال گزرنے کے بعد بھی اس کی سماعت نہیں ہو سکی ہے۔

2017ء میں پاکستان کے منتخب نمائندگان نے پاکستان موسمیاتی تبدیلی ایکٹ منظور کر کے موسمیاتی بحران کی سنگینی کو تسلیم کرنے کی جانب اہم قدم اٹھایا۔ اس قانون نے دو اہم اداروں کے قیام کی بات کی۔ ایک پالیسیز بنانے کے لیے ایک ماحولیاتی کونسل کا قیام جبکہ ان پر عمل درآمد کے لیے ایک ماحولیاتی اتھارٹی کے قیام کی ضرورت کو اجاگر کیا۔

اگرچہ 2019ء میں موسمیاتی کونسل قائم کی گئی تھی اور اس کا پہلا اجلاس 2022ء میں ہوا تھا لیکن وعدے کے مطابق کلائمیٹ اتھارٹی ابھی تک قائم نہیں ہو سکی ہے۔ موسمیاتی بحران کو مؤثر طریقے سے حل کرنے کے لیے ضروری ڈھانچے کے قیام میں تاخیر، یہ معاملہ اس مؤقف کی نفی کرتا ہے کہ جس کے تحت حکومتی نمائندگان نے موسمیاتی بحران کو ہنگامی حالات کے برابر کا درجہ دیا تھا۔

2024ء کے اوائل میں سپریم کورٹ نے موسمیاتی گورننس میں پیش رفت کے فقدان سے نمٹنے کے لیے کارروائی کی۔ ایک این جی او کی جانب سے پاکستان موسمیاتی تبدیلی ایکٹ پر عمل درآمد نہ ہونے پر تشویش کا اظہار کرنے کے بعد عدالت نے فوری کارروائی کرتے ہوئے جون تک وفاقی حکومت کو کلائمیٹ اتھارٹی قائم کرنے کا حکم دیا تھا۔

تاہم حکمرانی کے چیلنجز تیزی سے واضح ہوئے۔ آب و ہوا سے متعلق بہت سے مسائل جیسے زراعت، آب پاشی اور شہری منصوبہ بندی، صوبائی حکومتوں کے ماتحت آتے ہیں۔ عدالت نے صوبوں کو اپنی ماحولیاتی پالیسیز پیش کرنے کی ہدایت کی جبکہ خیبر پختونخوا اور سندھ پہلے ہی ایکشن پلان بنا چکے تھے۔ عدالت کی عجلت نے بلوچستان اور پنجاب کو فوری طور پر اگست تک اپنی پہلی موسمیاتی پالیسیز بنانے اور ان پر عمل درآمد پر آمادہ کیا۔

یہ کیس قانونی احکامات پر انحصار کرتے ہوئے بیوروکریٹک تاخیر کے چیلنجز پر روشنی ڈالتا ہے۔ اگرچہ عدالتیں کارروائی کے لیے دباؤ ڈال سکتی ہیں لیکن وہ اداروں کی حمایت اور سیاسی مرضی کے بغیر ہی اتنا کچھ حاصل کر سکتی ہیں۔

جون 2024ء میں عالمی یوم ماحولیات کے موقع پر سپریم کورٹ نے ایک روزہ موسمیاتی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ یہ علامتی طور پر ایک اہم قدم تھا جس نے موسمیاتی تبدیلی سے نمٹنے میں عدلیہ کی بڑھتی ہوئی شمولیت کو اجاگر کیا۔

اگرچہ یہ فیصلے پاکستان کے قانونی نظام میں موسمیاتی انصاف کی بڑھتی ہوئی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ کافی ہیں؟ چند جج کے چند ترقی پسند فیصلے صلاحیت کا مظاہرہ تو کرتے ہیں لیکن ان سے دیرپا تبدیلی نہیں آئے گی۔ شاذ و نادر اچھے فیصلوں کے بجائے موسمیاتی انصاف کے لیے مستقل، مضبوط قانونی فیصلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

1994ء میں سپریم کورٹ نے شہلا ضیا کیس میں اہم فیصلہ سنایا۔ عدالت نے انسان کے بنیادی حقوق کی تشریح کو وسعت دیتے ہوئے کہا کہ اس میں صاف اور صحت مند ماحول میں جینے کا حق بھی شامل ہے۔ بعدازاں 26ویں آئینی ترمیم میں آرٹیکل 9 اے شامل کیا گیا جو آئین میں صاف اور صحت مند ماحول کے حق کو باضابطہ طور پر تسلیم کرتا ہے۔ یہ ماہرین ماحولیات کی اہم فتح ہے (اس کا بہت زیادہ کریڈٹ ڈاکٹر پرویز حسن کی کاوشوں اور میراث کو جاتا ہے)۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے پاس قانونی نظام میں موسمیاتی انصاف کی ترقی کے لیے 30 سال انتظار کرنے کا وقت ہے جبکہ اس وقت موسمیاتی بحران ہوتا جا رہا ہے؟

کیا عدالتیں موسمیاتی انصاف فراہم کر سکتی ہیں؟

ایک بنیادی آئینی ذمہ داری کے طور پر موسمیاتی انصاف کا تصور طاقتور اور دلچسپ ضرور ہے جبکہ پاکستان کے آب و ہوا سے متعلق قانونی فیصلے سست اور روایتی ہیں۔ تاہم جو لوگ عدالتی نظام کو سمجھتے ہیں وہ اس بات کی نشاندہی کریں گے کہ انصاف کے تصور اور قانون کو عملی طور پر لاگو کرنے کے طریقہ کار میں فرق ہے۔

عدالتوں کو قانونی حقوق کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے تو اس لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ موسمیاتی تبدیلی سے متعلق مسائل میں بھی انصاف فراہم کریں۔ سوال یہ ہے کہ کیا پاکستانی عدالتیں درپیش چیلنجز پر قابو پانے اور ان نظریات کو مکمل طور پر پورا کرنے میں کامیاب ہوں گی جو اب تک آب و ہوا سے متعلق قانونی فیصلوں میں سامنے آئے ہیں؟

اصغر لغاری کیس میں لاہور ہائی کورٹ نے کہا کہ پاکستان کی موسمیاتی تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت کا انحصار موسمیاتی انصاف پر ہے۔ پاکستان کی 2012ء کی موسمیاتی تبدیلی کی پالیسی اور 2022ء کا قومی موافقت کا منصوبہ موسمیاتی تبدیلی سے نمٹنے کے لیے ملک کی حکمت عملی کا خاکہ پیش کرتا ہے۔

اگرچہ کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ دستاویزات پاکستان کو درپیش موسمیاتی چیلنجز سے پوری طرح نمٹتے ہیں، وہ شہریوں کو ایک فریم ورک دے کر حکومت کو اس کے آب و ہوا کے وعدوں کے لیے جوابدہ ٹھہرانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

وہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ موسمیاتی تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہونا مہنگا عمل ہے، جس میں سرمایہ خرچ ہوگا۔

آب پاشی کے نظام کی مکمل تبدیلی، گرمی کو سنبھالنے اور کم پانی استعمال کرنے کے لیے زراعت کو تبدیل کرنے اور شہری علاقوں کو نئے سرے سے ڈیزائن کرنے کے لیے اربوں روپے درکار ہوں گے۔ اہم سوال یہ ہے کہ کون فیصلہ کرتا ہے کہ یہ رقم کیسے اور کس کے ذریعے خرچ کی جاتی ہے؟

پاکستان میں عدالتیں عام طور پر حکومتی پالیسی کے فیصلوں یا فنڈز مختص کرنے کے طریقہ کار میں مداخلت نہیں کرتی ہیں اور انہیں ایسا کرنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ یہ قانون سازی، ایگزیکٹو اور عدالتی اختیارات کو الگ کرنے کے اصول کی خلاف ورزی ہوگی۔

پالیسی سازی میں عدم مداخلت سے متعلق موجودہ دائرہ کار عدالتوں کو اس بات کا تعین کرنے کے لیے کس حد تک

اجازت دے سکتا ہے کہ آیا مخصوص حکومتی اخراجات آب و ہوا کی حساسیت کے مطابق ہیں یا نہیں؟ کیا موسمیاتی انصاف عدالتوں کے لیے ایک آلہ بن سکتا ہے جس سے وہ اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ پبلک سیکٹر کے کون سے منصوبے ماحولیاتی حقوق کی حفاظت کرتے ہیں اور کون سے نہیں؟ اور کیا اس طرح کی عدالتی شمولیت کو دانشمندی قرار دیا جا سکتا ہے؟

ایک ایسا بحران جو سرحدیں نہیں جانتا

جزوی طور پر قومی ریاست کی موجودہ نوعیت کو دیکھتے ہوئے ان سوالات کا جواب دینا مشکل ہے۔ ریاست کو ایک ایسی ہستی کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے طاقت کے استعمال کا حق رکھتی ہے (یعنی صرف ریاست اپنے شہریوں کی جان یا آزادی بھی چھین سکتی ہے)۔ یہ عدالتیں ہیں جو فیصلہ کرتی ہیں کہ آیا ریاست نے اپنی طاقت کو جائز طریقے سے استعمال کیا ہے یا نہیں۔

قومی ریاست کو موسمیاتی بحران جیسے خطرات سے نمٹنے کے لیے نہیں بنایا گیا تھا جن کی سرحدیں نہیں ہوتیں۔ درحقیقت موسمیاتی تبدیلی جیسے عالمی بحران کا سامنا کرتے وقت زمین کو 200 الگ الگ ممالک میں تقسیم کرنے کا کوئی مطلب نہیں بلکہ اسے ایک ہو کر اس مسئلے کا مقابلہ کرنے یا مذاکرات کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی طرح قانونی نظام اور عدالتیں جو قومی ریاست کے ڈھانچے کے تحت تشکیل دی گئی ہیں، وہ ایسے مسائل سے نمٹنے کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں۔

موسمیاتی بحران نے کس طرح انسانی تہذیب کو متاثر کیا ہے، یہ تو واضح ہے لیکن اس سے زیادہ قومی ریاست اور اس کے اداروں کی جانب سے درپیش چیلنجز سے مؤثر طریقے سے نمٹنے میں ناکامی واضح ہے۔

قانونی عدالتیں قانونی فیصلے کرنے کے لیے واضح اور مخصوص مسائل کو نمٹاتی ہیں۔ مقدمہ شروع کرنے کے لیے عدالت کو مدعی یا شکایت کنندگان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ مخالف فریق کو جواب دینے کے لیے بلائیں۔ ثبوت اکٹھے کیے جائیں اور سخت قوانین کے مطابق پیش کیے جائیں۔ اس منظم عمل کے ذریعے ہی انصاف کی فراہمی مؤثر طریقے سے کی جاتی ہے۔

تاہم موسمیاتی بحران کے لیے یہ روایتی قانونی ڈھانچے موزوں نہیں۔ یہ انسانیت کو فطرت کے خلاف کھڑا کرتے ہیں، ضرورت سے زیادہ قدرت کو استعمال کرنے پر احتساب مانگتے ہیں۔ اگرچہ قانونی نظام اس قسم کی ذمہ داری کے لیے نہیں بنائے جاتے ہیں لیکن پاکستان اپنے قانونی نظام کو ان پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔

(بشکریہ ڈان)

12 فروری: پنجاب کی نسوانی تحریک کی استقامت کا جشن

سنی ضیاء

پنجاب کی نسوانی تحریک کی تاریخ جدوجہد اور استقامت کی لازوال مثال ہے۔ خواتین نے مختلف ادوار میں چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے اپنے حقوق کے لیے ہمیشہ آواز بلند کی۔ تحریکِ پاکستان کے ابتدائی دنوں سے لے کر آج تک، اس تحریک نے نہ صرف سماجی شعور بیدار کیا بلکہ کئی اہم کامیابیاں بھی حاصل کیں۔

1977ء میں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران خواتین کے حقوق پر شدید پابندیاں عائد کی گئیں۔ حدود آرڈیننس جیسے قوانین نے خواتین کو مزید مشکلات میں ڈال دیا۔ اس ماحول میں 1981ء میں لاہور میں ویمنز ایکشن فورم (WAF) کا قیام عمل میں آیا، جس نے خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک مضبوط پلیٹ فارم فراہم کیا۔ اس فورم نے قانونی ناانصافیوں کے خلاف جدوجہد کی اور عوامی سطح پر خواتین کے مسائل پر بات چیت کا آغاز کیا۔ WAF کی بانی اراکین میں انسانی حقوق کی معروف وکیل اور کارکن عاصمہ جہانگیر بھی شامل تھیں، جنہوں نے ہر محاذ پر خواتین کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی۔

عاصمہ جہانگیر کی قیادت میں ہونے والے کئی مظاہرے آج بھی یاد کیے جاتے ہیں، جن میں لاہور کے مال روڈ پر ہونے والا ایک بڑا مظاہرہ بھی شامل ہے۔ سیکیورٹی فورسز کی جانب سے کریک ڈاؤن کے باوجود خواتین نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ عاصمہ جہانگیر نے نہ صرف حدود آرڈیننس کے خلاف قانونی جنگ لڑی بلکہ خواتین کو سماجی تحفظ فراہم کرنے کے لیے بھی بھرپور کوشش کی۔

WAF نے صرف خواتین کے مسائل تک اپنی جدوجہد محدود نہیں رکھی بلکہ خواجہ سرا خواتین کو بھی اپنی تحریک کا حصہ بنایا۔ پنجاب کے مختلف شہروں میں WAF نے خواجہ سرا برادری کے ساتھ یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے بھی کام کیا۔ لاہور کی گلیوں میں ہونے والی ریلیوں میں خواجہ سرا خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سماجی قبولیت کے لیے اپنی آواز بلند کی۔ ان کی شمولیت نے WAF کو ایک ایسا پلیٹ فارم بنا دیا جو ہر صنف اور شناخت کے حقوق کا علمبردار تھا۔

پچھلے برسوں میں عورت مارچ جیسے اقدامات نے خواتین کی جدوجہد کو نئی زندگی بخشی اور نوجوان نسل کو تحریک کا حصہ بنایا۔ دیہی علاقوں میں خواتین کو اپنے حقوق کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے WAF کے رضاکاروں نے نمایاں کام کیا۔ خواجہ سرا خواتین کے لیے بھی یہ فورم امید کا ایک چراغ ثابت ہوا، جہاں ان کی آواز کو سنا اور تسلیم کیا گیا۔

پنجاب کی نسوانی تحریک آج بھی اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ تحریک صرف قوانین بنانے تک محدود نہیں بلکہ سماجی رویوں کو بدلنے اور معاشرتی انصاف کے قیام کے لیے کوشاں ہے۔ عزم، استقامت اور قربانی کی یہ کہانی ہمیشہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنی رہے گی۔

"مُخنّث افراد"

ڈاکٹر ثناء یاسر

لفظ "ٹرانسجینڈر" ایک اسم صفت ہے، جسے انگریزی میں Adjective کہتے ہیں۔ کسی کی صنف کو بیان کرنے کے لیے اسے اکیلے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا، جب ہم کہتے ہیں کہ وہ شخص ٹرانسجینڈر ہے، تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ لفظ مرد یا عورت ایک اسم ہے۔ لہٰذا، جب بھی کسی کو لفظ ٹرانسجینڈر استعمال کرنا ہو تو ہمیشہ اس کے ساتھ مرد، عورت یا غیر بائنری اسم استعمال کریں۔ مثال کے طور پر،

مریم ایک ٹرانس جینڈر ہے (یہ غلط جملہ ہے)

مریم ایک ٹرانس جینڈر عورت ہے (یہ صحیح جملہ ہے)

پنکی غیر بائنری ہے (یہ غلط جملہ ہے)

پنکی ایک غیر بائنری شخص ہے (یہ صحیح جملہ ہے)

عابد ایک ٹرانس جینڈر ہے (یہ غلط جملہ ہے)

عابد ایک ٹرانس جینڈر مرد ہے (یہ صحیح جملہ ہے)

اس کے علاوہ، اردو میں ٹرانس جینڈر لفظ کی صحیح تعریف "مُخنّث" ہے۔ لہٰذا ٹرانسجینڈر مرد کہنے کے بجائے، مُخنّث مرد کہا جا سکتا ہے اور ٹرانسجینڈر عورت کی بجائے مُخنّث عورت کا بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

پنجابی زبان کی ترقی اور زوال: ثقافتی شناخت اور سماجی و مذہبی ہم آہنگی پر اثرات

علی حیدر

ایک گاؤں میں بمشکل اردو بولنے والی لڑکی اور شہر میں انگریزی بولنے والی ماں ایک ایسی شناخت کے لیے خطرہ بن رہی ہیں، جس نے ایک معاشرے کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ وہی شناخت ہے جس نے پنجاب میں مذہبی ہم آہنگی کو ہزار سال سے زائد عرصے تک برقرار رکھا۔ مگر آج کے دور میں، جہاں جدیدیت اور مغربیت کے طوفان نے نوجوانوں کو اپنی زبان سے بیگانہ کر دیا ہے، وہیں مذہبی پیشواؤں کے زیر اثر بڑھتی انتہا پسندی نے ایک پرامن، تکثیری اور ثقافتی شناخت کو شدید خطرے میں ڈال دیا ہے۔

پنجابی زبان وثقافت زوال پذیر ہے۔ یہ زبان، جو تقریباً ایک ہزار سال قبل سنسکرت کے مقامی لہجوں سے جنم لینے والی پراکرت زبانوں، بالخصوص اپبھرنش (Apabhramsa) سے وجود میں آئی تھی، اب معدومیت کے خطرے سے دوچار ہے۔ 600 قبل مسیح میں جب سنسکرت ایک معیاری ادبی اور انتظامی زبان بن چکی تھی، تبھی پراکرت زبانیں مختلف علاقوں میں مقامی زبانوں کی شکل اختیار کر رہی تھیں۔ ساتویں اور آٹھویں صدی میں جب مسلمانوں کی وادی سندھ میں آمد ہوئی، تو ایک نئی زبان اور ثقافت کے ارتقاء کا آغاز ہوا۔

آٹھویں صدی میں تحریر کی گئی ''سانہراسایا'' (Samneharasaya) ایک اہم مثال ہے، جو عربی کے عبدالرحمٰن کا سنسکرت میں ترجمہ ہے۔ یہ اپبھرنش زبان کا شاہکار ہے، جسے پنجابی ادب کا ابتدائی نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پنجابی تہذیب دو مختلف ثقافتوں کے امتزاج سے وجود میں آئی تھی۔

پنجابی زبان وتمدن نے بدھ مت اور اسلامی تصوف کے امتزاج سے عدم تشدد، ہم آہنگی اور محبت پر مبنی ایک پرامن معاشرہ تشکیل دیا۔ تصوف نے اس تسلسل کو قائم رکھا، جس کے نتیجے میں ایک کثیرالمذہبی معاشرہ وجود میں آیا، جہاں بے خودی اور عشق حقیقی کے رومانوی پہلو نمایاں ہوئے۔ تمام بڑے صوفی شعراء، جوگیوں اور مذہبی تحریکوں نے تعصب سے بالاتر ہو کر انسانیت کی بھلائی اور محبت کو فروغ دیا۔

یہی وہ پہچان تھی جس نے اس خطے کے باسیوں کو ہر حملہ آور کے خلاف ایک مضبوط دیوار کی طرح کھڑا ہونے کی قوت دی۔ باوجود اس کے کہ مختلف ادوار میں مذہبی انتہا پسندوں نے اس توازن کو بگاڑنے کی کوشش کی، پنجاب کی تکثیری شناخت قائم رہی۔ تاہم، سامراجی طاقتوں نے اس شناخت کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ ایک نیا تعلیمی، عدالتی اور معاشی نظام متعارف کروایا گیا، جس کا مقصد صرف انگریزی تہذیب کو فروغ دینا تھا۔ اس مقصد کے لیے جن وفادار طبقات کو چنا گیا، انہوں نے آج بھی پنجابی تمدن کے خاتمے کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھی ہوئی ہیں۔

1947 میں تقسیم کے بعد، یوپی اور وسطی ہندوستان سے آنے والی اشرافیہ نے ایک نئی قومی شناخت کو متعارف کروایا، جو یہاں کے مقامی لوگوں کی زبان وثقافت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی تھی۔ اردو اور انگریزی کے نفاذ نے مقامی لوگوں کو ان کی تاریخ وثقافت سے بیگانہ کر دیا اور ایک ایسی انتہا پسند سوچ دی، جس نے آج کی نسل کو ابہام میں مبتلا کر دیا ہے۔

یہ سلسلہ تقسیم سے قبل ہی مذہبی منافرت پھیلانے والے پنڈتوں اور ملاؤں کے ذریعے شروع ہو چکا تھا، جنہوں نے پنجاب کے امن پسند معاشرتی ڈھانچے کو مسخ کیا۔ دوسری جانب، جدیدیت کے علم برداروں اور مغربی استعمار کے حامیوں نے بھی پنجابی زبان وثقافت کو سب سے پہلے نشانہ بنایا۔ علی گڑھ کے اصلاح پسندوں، کانگریسیوں اور ترقی پسندوں نے جان بوجھ کر نوجوانوں کو ان کی پہچان سے دور کیا، تاکہ اپنے سیاسی مقاصد کو پورا کیا جا سکے۔

تحقیقات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ زبان کی تبدیلی نہ صرف ثقافتی شناخت کو متاثر کرتی ہے بلکہ پنجابی کے ساتھ جڑا امیر ثقافتی ورثہ بھی شدید خطرے میں ہے۔ پاکستان میں لسانی تنوع اہم ہے، اور پنجابی اس تنوع کا نمایاں حصہ ہے۔

پنجابی زبان کے زوال کی بنیادی وجوہات میں سماجی و معاشی دباؤ، تعلیمی پالیسیوں میں اردو وانگریزی کی ترجیح، اور پنجابی کے لیے ادارتی مدد کی کمی شامل ہیں۔ شہری علاقوں میں اردو اور انگریزی کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کی وجہ سے پنجابی زبان کا استعمال تیزی سے کم ہو رہا ہے۔ اب یہ فرق کرنا مشکل ہو چکا ہے کہ لوگ پنجابی بول رہے ہیں یا اردو کا کوئی لہجہ۔ اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو چند نسلوں میں پنجابی مکمل طور پر ناپید ہو جائے گی، جو محض زبان کا زوال نہیں بلکہ ایک پوری تہذیب کا خاتمہ ہوگا۔

نوجوان نسل میں مقامی زبانوں کے زوال کا اثر

شہری علاقوں میں نوجوان نسل کے درمیان پنجابی کا استعمال کم ہو رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ معاشرے میں معاشی ترقی کے لیے انگریزی کو دفتری زبان کے طور پر اپنانا اور عمومی بول چال میں اردو کا رواج غیر اعلانیہ شرط بن چکا ہے۔ یہ رجحان نہ صرف زبان کے بقا بلکہ پاکستان کے ثقافتی ورثے کے لیے بھی خطرناک ہے۔

تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیمی اور پیشہ ورانہ مقاصد کے لیے اردو اور انگریزی کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے پنجابی کی وقعت اور استعمال کم ہو رہا ہے۔ وہ خاندان جو اردو یا انگریزی کو ترجیح دیتے ہیں، وہ اپنے بچوں میں پنجابی کے بارے میں کمتر سوچ کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ ان رویوں میں تبدیلی لانا پنجابی زبان کے فروغ کے لیے ضروری ہے۔

حکومتی پالیسی اور مستقبل کی حکمت عملی

پاکستان میں زبانوں کے تحفظ کے لیے فوری اقدامات کی ضرورت ہے۔ تعلیمی منصوبوں اور کمیونٹی کی شمولیت کے ذریعے پنجابی کو فروغ دینے کی حکمت عملی مرتب کرنا ناگزیر ہو چکا ہے۔ لوگ یہ سمجھ ہی نہیں رہے کہ وہ اپنی تاریخی روایات اور ثقافت کو ترک کر کے ایک ایسے معاشرتی اور معاشی توازن سے محروم ہو چکے ہیں، جو ہزاروں سال سے انہیں جوڑے رکھتا تھا۔

تحقیقات تجویز کرتی ہیں کہ پنجابی زبان کے تحفظ اور احیاء کے لیے پالیسیاں تشکیل دی جائیں، جو لسانی تنوع کو قومی اثاثہ تسلیم کریں۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد میں کی گئی تحقیق کے مطابق، پنجابی بولنے والوں کے رویے تبدیل ہو رہے ہیں۔ تعلیمی اور سماجی اصولوں کے تحت پنجابی کو نظرانداز کیا جا رہا ہے اور اردو وانگریزی کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ یہ رجحان نوجوان نسل میں ثقافتی ورثے اور شناخت کے زوال کے خدشات کو مزید گہرا کر رہا ہے۔

شہری کاری اور معاشی دباؤ کے باعث پنجابی زبان اپنی بقا کے لیے شدید خطرات کا سامنا کر رہی ہے۔ تحقیق اس بات پر زور دیتی ہے کہ تعلیمی اصلاحات، عوامی بیداری، اور لسانی تنوع کے تحفظ کو ترجیح دینا ضروری ہے، تاکہ پنجابی زبان اور اس سے جڑی ثقافت کا احیاء ممکن بنایا جا سکے۔

ہجرت

کیا ہندو برادری سندھ چھوڑ رہی ہے

تعارف

ہندو برادری کی پاکستان کے صوبہ سندھ سے ہندوستان اور دیگر مقامات کی طرف ہجرت ذرائع ابلاغ کی اطلاعات، سول سوسائٹی اور اقلیتوں کے حقوق کے گروپوں اور یہاں تک کہ پارلیمان کے ایوان میں ایک بار موضوعِ بحث ہے۔ تاہم، نہ صرف عقیدے کی بنیاد پر امتیازی سلوک اور تشدد بلکہ سلامتی کے خطرات اور معاشی مشکلات کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے، اس رجحان کے بارے میں مزید باریک بینی سے غور وخوض کرنا ضروری ہے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیر اہتمام، اس تحقیق میں ہندوؤں کی نقل مکانی کے سلسلے میں کثیر جہتی عوامل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں سندھ میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتحال، مذہبی بنیادوں پر تشدد اور سماجی و ثقافتی اصولوں کے انحطاط کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ ان منفرد مشکلات کی بھی نشاندہی کرتی ہے جن کا سامنا ہندو خواتین کو ہوتا ہے، جنہیں اکثر اس طرح کی گفتگو میں نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اس تحقیق میں ان پیچیدگیوں کو سمجھ کر سندھ میں ہندو برادری کی نقل مکانی کے عصری نمونوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، نقل مکانی کے ان کے فیصلے کو متاثر کرنے والے عوامل کو دیکھا گیا ہے اور پالیسی سازوں اور انسانی حقوق کے کارکنوں کے لیے بصیرت افروز معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

سندھ سے ہندو برادری کی ہجرت کے محرکات کی تحقیقات کے لیے معیاری تحقیقی طریقہ کار استعمال کیا گیا ہے۔ جیکب آباد، گھوٹکی، سکھر اور کراچی میں اونچی ذات اور شیڈول ذات کی ہندو برادریوں کے رہنماؤں کے انٹرویوز کیے گئے۔ ان انٹرویوز میں محرکات، چیلنجز اور کمیونٹی کی ضروریات معلوم کی گئیں اور متنوع نقطہ نظر حاصل کیا گیا۔ ایچ آر سی پی کونسل کے اراکین اور عملے کے اراکین، اقلیتی حقوق کے کارکنوں، صحافیوں اور سیاسی تجزیہ کاروں جیسے اہم خبررساں عناصر کے بھی انٹرویو کیے گئے۔ انٹرویو دینے والوں کی شناخت کو خفیہ رکھا گیا ہے، اور رازداری کو یقینی بنانے اور ان کی رازداری اور حفاظت کے تحفظ کے لیے صرف ان کے پیشوں یا عہدوں کا انکشاف کیا گیا ہے۔ مزید برآں، سندھ سے ہندو برادری کی ہجرت کے حوالے سے تاریخی سیاق وسباق اور وسیع تر سماجی رجحانات فراہم کرنے کے لیے میڈیا رپورٹس، ایچ آر سی پی کی دستاویزات اور علمی تحقیقات کا وسیع تجزیہ کیا گیا۔

سول سوسائٹی اور سیاسی جماعتوں کا کردار

ریاستی بے عملی کے پیش نظر، سول سوسائٹی، سیاسی جماعتیں، اور میڈیا شمالی سندھ میں ہندو برادری کے حقوق اور تحفظ کی وکالت کرنے کے حوالے سے بڑی اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ سول سوسائٹی کے گروپ محدود اثر و رسوخ کے باوجود بدسلوکی کے واقعات قلمبند کرتے ہیں، احتجاج منظّم کرتے ہیں اور قانونی مدد فراہم کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں اکثر اقلیتوں کے حقوق سے متعلق غیر مستقل رویہ اختیار کرتی ہیں۔ اگرچہ کچھ ہندو برادری کی کھلے عام حمایت کرتی ہیں، تاہم، ان کے اقدامات میں گہرائی کی کمی ہے اور وہ نظام سے متعلق مسائل سے نمٹنے میں ناکام رہتی ہیں۔ بعض اوقات، یہ جماعتیں پائیدار حل فراہم کیے بغیر سیاسی فائدے کے لیے اقلیتوں کی حالت زار کا استحصال کرتی ہیں۔

مثال کے طور پر، سندھ میں حکمراں جماعت پاکستان پیپلز پارٹی نے 2016 میں جبری تبدیلی مذہب کے خلاف ایک بل منظور کیا تھا۔ تاہم، اسلامی گروپوں کے دباؤ کی وجہ سے گورنر نے منظوری نہیں دی۔ 2019 میں، ترمیم کے ساتھ بل کو دوبارہ پیش کرنے کی کوشش ناکام ہوئی جب اکثریت نے اس کے خلاف ووٹ دیا۔ ٹوٹی پھوٹی سندھی قوم پرست جماعتیں ہندو برادری کی حمایت میں کبھی کبھار چھوٹے چھوٹے احتجاجی مظاہروں کا اہتمام کرتی ہیں، لیکن ان کوششوں کا اثر شمالی سندھ کے طاقتور قبائلی سرداروں پر کم ہی ہوتا ہے۔

مزید برآں، بڑی سیاسی جماعتوں میں ہندوؤں کی غیر مؤثر نمائندگی کی وجہ سے پالیسی اور فیصلہ سازی پر ان کا اثر و رسوخ بہت کم ہے۔ 1999 تک، ہندوؤں سمیت مذہبی اقلیتوں کو پاکستان کے عام انتخابات میں دوہری ووٹنگ کا حق حاصل تھا، جس کی وجہ سے وہ عام امیدواروں اور غیر مسلم نمائندوں دونوں کو ووٹ دے سکتے تھے۔ یہ نظام اکثر شیڈول ذاتوں کے ہندو رہنماؤں کو منتخب ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے جو حقیقی طور پر اپنی برادری کی نمائندگی کرتے تھے۔ تاہم، انتخابی قوانین میں تبدیلیوں کی وجہ سے اب جماعتیں محفوظ نشستوں کے لیے دولت مند، اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کو ترجیح دیتی ہیں- اس اقدام کی بہت سے غیر مسلم گروپوں نے مخالفت کی ہے۔

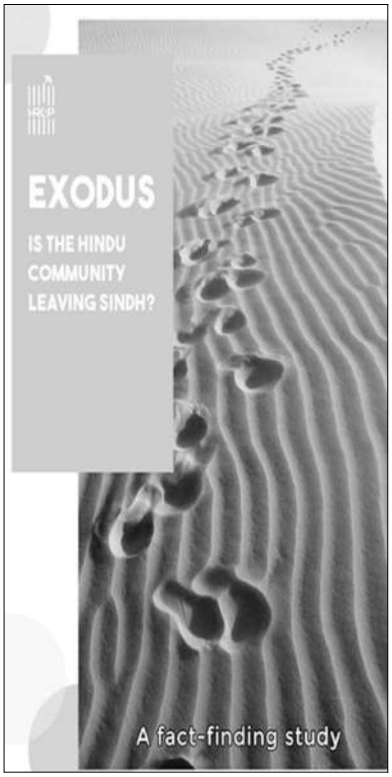

ماحصل اور سفارشات

اس تحقیق میں سندھ میں پاکستانی ہندوؤں کو درپیش اُن سنگین حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو بہت سے لوگوں کو ہندوستان ہجرت کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ عدم تحفظ، معاشی جدوجہد، خواتین کی حفاظت کو درپیش خطرات، اور بگڑتے ہوئے موسمی حالات جیسے عوامل اس ہجرت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، جو پاکستان میں گہرے مسائل کی عکاسی کرتے ہیں۔

سندھ سے ہندوؤں کی نقل مکانی وسیع تر سماجی مشکلات کی نشاندہی کرتی ہے جس سے اقلیتوں کے لیے تحفظ، انصاف اور شمولیت کو یقینی بنانے میں ریاست کی ناکامی بے نقاب ہوتی ہے۔ غیر فعال قانونی نظام، غیر مؤثر سیاسی نمائندگی اور ریاست کی بے حسی ہندو برادری کو الگ تھلگ اور بیگانہ کرنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ امید کے آثار پیدا ہونے کے علاوہ، ہجرت میں کچھ بڑے نقصانات بھی ہوتے ہیں—— جان پہچان والا ماحول، سوشل نیٹ ورکس، اور آبائی تعلقات—— یہ سب ایک غیر یقینی مستقبل کے لیے داؤ پر لگ گئے ہیں۔ اس طرح کی نقل مکانی نظام میں تبدیلی کی فوری ضرورت کی نشاندہی کرتی ہے۔

لاہور میں خاکروبوں کے مسائل: 'کوئی انگلی ایسی نہیں جو زخمی نہ ہو، کام گندا ہے لیکن پیٹ کی خاطر کرتے ہیں'

نازش فیض

ہاتھ میں بانس کا جھاڑو، سر پر لال ٹوپی اور جنوری کی سخت سردی میں ندیم صبح صبح لاہور کی گلیوں میں اپنے کام پر نکل جاتے ہیں۔

گلی میں واقع ایک، ایک گھر کی گھنٹی بجا کر کوڑے کی ٹوکری لے کر ندیم یہ کچرا اپنے رکشے میں جمع کرتے ہیں اور پھر ہر ٹوکری سے نکلنے والے کوڑے میں سے بوتلیں، کاغذ اور لوہا الگ کرتے ہیں۔

ندیم لاہور کے علاقے جوہر ٹاؤن میں دن کا زیادہ تر حصہ گزارتے ہیں۔

شاید ہی ہم میں سے کسی نے کوڑا اچھینکنے سے پہلے یہ سوچا ہو کہ شیشے کے ٹکڑے، کاغذ یا بوتلوں کو الگ الگ کر کے پھینکا جائے تاکہ اس کو اٹھا کر لے جانے والوں کو آسانی ہو اور ری سائیکلنگ کرنے میں بھی مدد ملے۔

شاید یہ بات آپ کے لیے حیران کن ہو کہ آپ کے گھر سے نکلنے والا کچرا جس میں پلاسٹک بڑی مقدار میں ہوتا ہے کو ری سائیکل کر کے بوتلیں، فرنیچر اور پولیسٹر فائبر تیار کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر پلاسٹک کی پرانی بوتلوں سے ڈیکوریشن پیس یا پھول اگانے کے لیے انھیں گملوں کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ پرانے کاغذ کو ری سائیکل کر کے گتا جبکہ پلاسٹک کو ری سائیکل کر کے مختلف اشیا تیار کی جا رہی ہیں۔

ری سائیکلنگ کے دوران پلاسٹک کی ان بوتلوں کو کرش کر کے واش کیا جاتا ہے، جس کے بعد اس پلاسٹک کو ری سائیکل کیا جاتا ہے۔

مگر ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں پاکستان میں ری سائیکلنگ بڑے پیمانے پر نہیں کی جا رہی اور جو اس وقت کی جا رہی ہے اُس میں یہ خاکروب بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن ان کے مسائل ایسے ہیں کہ انھیں اگر اس انتہائی کٹھن کام کے دوران کچھ نہ بھی ہو تو معاشرتی رویے انھیں جینے نہیں دیتے۔

یہ کہانی لاہور کو صاف رکھنے اور کچرے کی ری سائیکلنگ میں سب سے اہم کردار ادا کرنے والے خاکروبوں کی ہے، جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔

'گند میں ہاتھ مارتے وقت کئی بار میرا ہاتھ کٹا'

محمد ندیم کو یہ کام کرتے ہوئے دس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'اتنے سال میں مجھے بے انتہا تکلیفوں سے گزرنا پڑا۔ کوڑے کو الگ الگ کرنے کے لیے ہم گند میں ہاتھ مارتے ہیں جس کی وجہ سے کئی بار میرا ہاتھ بھی کٹا۔'

جس کوڑے کو پھینکنے کے بعد ہم ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتے یہ خاکروب اُسی کوڑے میں ہاتھ مار کر بوتل، کاغذ، لوہا وغیرہ الگ کرتے ہیں تاکہ اس کو کباڑ میں بیچ کر چند پیسے کما سکیں۔

پورا دن محنت کرنے کے بعد یہ خاکروب کباڑ میں کوڑا بیچ کر حاصل کی گئی اشیا کو 300 سے 400 روپے کے عوض بیچ دیتے ہیں جو ماہانہ 12 ہزار بنتے ہیں جو اس مہنگائی کے دور میں انتہائی کم ہیں۔

یہ سب کرنے میں اُن کو کئی جراثیم بھی لگ جاتے ہیں، جس سے نا صرف وہ بلکہ اُن کے گھر کے افراد بھی متاثر ہوتے ہیں۔

ندیم نے بتایا کہ 'ایک بار مجھے کوڑے سے ایسے جراثیم لگے کہ میں بہت بیمار ہو گیا اور کچھ دن بستر پر رہا اور اس کے بعد مجھ سے وہ جراثیم میرے بچوں کو بھی منتقل ہوئے جس کی وجہ سے اُن کی ادویات اور علاج پر مجھے لوگوں سے اُدھار لے کر گزارہ کرنا پڑا۔'

محمد ندیم کی طرح کیف علی بھی گذشتہ دس سال سے لاہور میں کوڑا اُٹھانے کا کام کر رہے ہیں۔

کیف کا کہنا ہے کہ کوڑے میں ہاتھ مارنے کی وجہ سے اُن کے ہاتھ کی کوئی انگلی ایسی نہیں جو زخمی نہ ہوئی ہو۔

'ہمیں پتا ہے کہ کام گندا ہے مگر ہم کیا کریں پیٹ کی خاطر ہمیں یہ کرنا پڑتا ہے۔'

'لوگ ہمیں انسان نہیں سمجھتے'

کیف نے بتایا کہ لوگ گھروں میں جب کوڑا جمع کر رہے ہوتے ہیں تو وہ اگر اُس کو الگ الگ کر کے رکھیں تو اُن کا کام آسان ہو سکتا ہے۔

لوگوں کے منفی رویے سے متعلق بھی کیف اور ندیم نے بات کرتے ہوئے کہا کہ لوگ اُنھیں 'انسان نہیں سمجھتے'۔

کیف نے اپنے ساتھ پیش آنے والے رویے کے بارے میں بات کرتے ہوئے بتایا کہ 'میں نے ایک بار کسی سے کھانے کے لیے مانگا تو اُنھوں نے مجھے کہا کہ کوڑا لے کر چلے جاؤ اور گھر کا دروازہ بند کر دیا۔' ندیم کہتے ہیں کہ 'ہم وہ کام کرتے ہیں جو یہ بڑے گھروں میں رہنے والے افراد خود کرنا پسند نہیں کرتے، کبھی ان سے اگر چند پیسے مزید مانگ لیں تو وہ ہمیں ہمارا سٹیٹس یاد کرواتے ہیں۔'

کیف کا کہنا ہے کہ 'لوگوں کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ اُن کی جو ذمہ داری ہے وہ ہم لوگ ادا کر رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ری سائیکلنگ میں بھی حکومت کی کسی نہ کسی طرح مدد کر رہے ہیں۔'

اُن خاکروبوں کو بغیر دستانوں اور ماسک کے کام کرتے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نجی حیثیت میں کام کرنے والے ان خاکروبوں کے پاس حفاظتی ساز و سامان نہ ہونے کے برابر ہے۔

ندیم نے بتایا کہ حکومت کی جانب سے انھیں کوئی چیز فراہم نہیں کی جاتی۔ 'ہم جو جھاڑو سڑکوں کو صاف کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ بھی ہم اپنے پیسوں سے خرید کر استعمال کرتے ہیں۔'

بی بی سی نے اسی بارے میں لاہور ویسٹ مینجمنٹ کمپنی میں آپریشنز مینیجر چوہدری اسلم سے بات کی۔

انھوں نے ان الزامات کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ اُن لوگوں کو حفاظتی اشیا فراہم کی جاتی ہیں اور مستقبل میں بھی فراہم کی جائیں گی۔

انھوں نے بتایا کہ اُن کے ادارے نے پرائیویٹ طور پر کام کرنے والے ان خاکروبوں کے لیے جگہ جگہ کوڑے کے ڈرم رکھے ہیں تاکہ وہ کوڑے کو منظم طریقے سے اکٹھا کر سکیں۔

اُن کی صحت پر پڑنے والے اثرات کے بارے میں بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ 'ہم ان کو اپنے سسٹم میں شامل کرنے کا پلان کر رہے ہیں، جس کے بعد اُن کو باقاعدگی سے تمام حفاظتی ساز و سامان فراہم کیا جائے گا۔'

چوہدری اسلم کا کہنا ہے کہ مقامی حکومت نے ان کے لیے پرائیویٹ کنٹریکٹر رکھے جو اُن کو آگاہی فراہم کریں گے تاکہ جو سہولیات ان کو دی جائیں گی وہ اس کا مناسب استعمال کر سکیں۔ (بشکریہ بی بی سی اردو)

قلم آزاد

ترتیب وادارت: ادریس بابر

پردہ گرنے والا ہے

دھواں اٹھنے لگا ہے گنبدوں سے
جلائی جا رہی ہیں پاک روحیں
مساجد کے در و دیوار پر چھینٹے لہو کے
فضا ماتم کناں ہے
ہوا شوریدہ سر ہے
مؤذن خاک کی چادر لپیٹے سو رہے ہیں
خدا ناراض تو کل تک نہیں تھا
مگر اب رابطے سب منقطع ہیں
نہ جانے کون سی سازش ہوئی ہے آسماں پر
جو آدم بٹ رہے ہیں
ہمارے اپنے تن سے اپنے ہی سر کٹ رہے ہیں
کہانی ایک ہی لکھی گئی تھی
فقط کردار بدلے جا رہے ہیں
اچانک کیا ہوا ہے
ملایا جا رہا ہے خیر و شر کو
مٹایا جا رہا ہے بحر و بر کو
زمانے کے قدم تھکنے لگے ہیں
خدا اگلی کہانی لکھ رہا ہے
(قندیل بدر)

جاتے نہیں ہو کس لیے لبنان کی طرف

قائل ہوئے ہیں آپ کی لشکر کشی کے ہم
تسلیم ہم کو آپ افراسیاب ہم
وہ آپ ہیں کہ ظل الٰہی کہیں جسے
کیا شک ہے اس میں آپ ہی عزت مآب ہیں
لیکن ! حضور آپ کے یہ عسکری کمال
کیا سب کے سب ہمارے لیے ہی نوشت ہیں
یا ہم ہی کائنات میں بدبخت لوگ ہیں
یا آپ اپنی ذات میں ہی بدسرشت ہیں
ہم تو حضور آپ کے ہیں مستقل غلام
ہم پر تو جوروجبر ورعونت ، بجا نہیں
ہم پر تو آپ جب کبھی لشکر کشا ہوئے
سجدے سے ہی ہمارا کبھی سر اٹھا نہیں
اب اور بھی کہیں یہ ہنر آزمایئے
کیوں اپنے ملک وقوم کی گردن پر ہو سوار
جاکر حریف کو کبھی نیچا دکھایئے
مومن اگر آپ ہیں تو لازم جہاد ہے
غازی اگر ہیں آپ تو میداں کو جایئے
اس سرزمیں پہ دین کی عظمت ہے برقرار
بیروت جاکے دین کی عظمت بچایئے
ہمت ہے گر تو غیر کے ہاتھوں میں ڈالو ہاتھ
آتے ہو کیوں ہمارے گریبان کی طرف
گر تم کو اپنی قوت باز پہ ناز ہے
جاتے نہیں ہو کس لئے لبنان کی طرف
(اسل گورداسپوری)

اتوار یہ جار یہ سار یہ

خلقت سے انتقام لیے جا رہے ہیں آپ!
پھر بھی خدا کا نام لیے جا رہے ہیں آپ
ہم بھوکے مر رہے ہیں کرم سب ہے آپ کا
تنخواہ ڈبل حرام لئے جا رہے ہیں آپ
برباد کر دیا ہے معیشت کو آپ نے
اور قرض بھی مدام لیے جا رہے ہیں آپ
اس ملک کے عوام کیا دشمن کی فوج ہیں
تلوار بے نیام لیے جا رہے ہیں آپ
لوگوں کا خون کیا کوئی سستی شراب ہے
بھر بھر کے جس کے جام پیے جا رہے ہیں آپ
دشمن دعائیں کرتے ہیں سرکار کے لئے
ان سے ہوا نہ کام، کیے جا رہے ہیں آپ
غدار ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں کوئی
وہ سب ہیں جن سے کام لیے جا رہے ہیں آپ
اقلیتوں کی نسل کشی پیچھے آپ ہیں
پنجابیوں کا نام لیے جا رہے ہیں آپ
بگ گیم کا اصول ہے، یک سر فضول ہے
ہر مہرہ جس سے کام لیے جا رہے ہیں آپ
لعنت خدا نے ڈال دی پھر! ووٹ خلق نے
کیا سمجھے تھے؟ غلام لیے جا رہے ہیں آپ!
سر! جج لگا لیا! سر! الیکشن چرا لیا!
جعلی قبولِ عام لیے جا رہے ہیں آپ
بازو مروڑ کر کبھی آئین توڑ کر
ذلت میں اک مقام لئے جا رہے ہیں آپ
گولی چلا کے، نہتوں کو نہلا کے خون میں
واہوا! قبول-عام لیے جا رہے ہیں آپ
کیا جبڑا چوک بھول گیا ہے حضور کو؟
فرعونیت سے کام لیے جا رہے ہیں آپ
اچھا کیا کہ توڑ دیے خود ہی اپنے بت
یہ ایک نیک کام کئے جا رہے ہیں آپ
دنیا تو تھوکتی بھی نہیں اب جناب پر
عبرت میں وہ دوام لیے جا رہے ہیں آپ
سیٹ آپ کی ریزرو ہے اس کوڑے دان میں
جس سے دماغی کام لیے جا رہے ہیں آپ
کیا آپ نے حسینؑ کو پھر قتل کر دیا؟
کیا قیدی سمت-شام لیے جا رہے ہیں آپ؟
تاریخ خاک ڈال رہی ہے جناب پر
ساتھ اپنا انہدام لیے جا رہے ہیں آپ
پچیس کروڑ لوگوں کی لعنت ہے آپ پر
یہ تمغہ ء عوام! لیے جا رہے ہیں آپ
ادریس بابر

آزادی

سرحدیں سر مانگتی ہیں
اور ان کے بیچ پروان چڑھنے والی نسلیں
ایک پر امن گھر مانگتی ہیں
جہاں بھوک نہ ہو، تنگ نہ ہو
کسی منبر اور مندر پر نفرت کا رنگ نہ ہو
کسی ذی روح پر حیات تنگ نہ ہو
سرحدوں پر کوئی جنگ نہ ہو
یہ ہم بھی چاہتے ہیں یہ تم بھی چاہتے ہو
مگر یہ ممکن بھی کیسے ہو
جب آگ اگلتی فیکٹریاں
تعصب کے ایندھن سے چلتی ہوں
اور یہ تعصب
ادھر بھی ادھر بھی ہے
نفرت کے شعلوں سے بھسم تم بھی ہو
راکھ ہم بھی ہیں
بارود بیچنے والے ساہوکار کے آگے
نسلیں ہم دونوں کی گروی ہیں
بظاہر آزاد تم بھی ہو ہم بھی ہیں
(سجاد اظہر)

نیشنل بینک برانچ کے صارفین کا مطالبہ

چمن چمن کے شہریوں نے نیشنل بینک برانچ چمن کے انتظامیہ اور اعلیٰ حکام سے اپیل کی ہے کہ برانچ کے اندر موجود اے ٹی ایم کیبن کو روڈ کی جانب منتقل کیا جائے۔ صارفین کا کہنا ہے کہ موجودہ جگہ پر اے ٹی ایم کیبن تک رسائی مشکل ہے جس کی وجہ سے انہیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شہریوں کا مؤقف ہے کہ اگر اے ٹی ایم کیبن کو روڈ کی جانب منتقل کر دیا جائے تو یہ نہ صرف صارفین کے لیے آسانی کا باعث ہوگا بلکہ زیادہ افراد اس سہولت سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اس اقدام سے عوام کے مسائل حل ہوں گے اور بینک کی خدمات کا معیار بھی بہتر ہوگا۔

(محمد صدیق)

قبائلی تصادم سے بچاؤ کے لیے فوری کارروائی کی جائے

خیبر باڑہ قوم اخوروال ہماری زمینوں اور معدنیات پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش بند کریں، بڑے تصادم کا خطرہ ہے۔ قوم آکاخیل خاونگی کی ملکیت کے پہاڑوں پر سڑک بنانا صرف قوم آکاخیل کے زمینوں اور معدنیات پر قبضہ کرنے کے مترادف ہے۔ ان خیالات کا اظہار قوم آکاخیل تپہ شیر خیل کے مشران حاجی اکرم، جمیل خان، محمد جانان، بیضوار خان، زرولی خان اور حوالدار خان سمیت درجنوں مشران اور عوام نے باڑہ پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ خاونگی کے پہاڑ قوم آکاخیل تپہ شیر خیل کی ملکیت ہیں۔ اگر حکومت یہاں سڑک تعمیر کرنا چاہتی ہے تو شیر خیل کو اعتماد میں لیا جائے، بصورت دیگر یہ متنازعہ کام ہم کسی صورت نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر کام بند نہ کیا گیا تو بڑے تصادم کا خطرہ ہے۔ حکومت اور سیکیورٹی فورسز متنازعہ سڑک کی تعمیر میں یک طرفہ مداخلت سے دور رہیں کیونکہ اس سے ہزاروں افراد پر مشتمل قوموں کے مابین بڑے تصادم کا خطرہ ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر حکومت خاونگی کے پہاڑ پر سڑک تعمیر ضروری سمجھتی ہے تو پہلے قوم اکاخیل کے ذیلی شاخ شیر خیل کے ساتھ بیٹھ کر ان کو اعتماد میں لے۔ انہوں نے کہا کہ قوم اخوروال کو بھی آگاہ کرتے ہیں کہ ہماری علاقے میں مداخلت سے گریز کریں اور قوموں کے مابین کشیدگی پیدا نہ کریں۔ قوم اکاخیل کی ذیلی شاخ شیر خیل نے اعلیٰ حکام سے اپیل کی کہ اس مسئلے میں فوری طور پر ایکشن لیں تاکہ کوئی خونریزی نہ ہو۔

(مسعود شاہ)

عوام کو سفر کی سہولیات میں مشکلات اور دشواریوں کا سامنا

نوشکی 21ویں صدی میں بھی قدرتی وسائل سے مالا مال جغرافیائی اعتبار سے اہمیت کے حامل خطہ بلوچستان کے عوام جہاں تعلیم صحت روزگار اور دیگر بنیادی سہولیات سے محروم ہیں اسی طرح بلوچستان کے عوام کو سفر کی سہولیات میں جن مشکلات دشواریوں اور وقت کے ضیاع کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان کو ایران یورپ سے ملانے والی بین الاقوامی شاہراہِ پاک ایران قومی شاہراہ این 40 بلوچستان کو سندھ سے ملانے والی کوئٹہ کراچی شاہراہِ بلوچستان کو سندھ سے ملانے والی کوئٹہ ڈیرہ اللہ یار شاہراہِ بلوچستان کو پنجاب اور خیبر پختونخوا سے ملانے والی کوئٹہ ژوب شاہراہ سنگل اور زبوں حالی سے دوچار ہیں۔ جس کی وجہ سے اس وقت سب سے زیادہ حادثات انہی شاہراہوں پر رونما ہونے سے روزانہ حادثات کی وجہ سے قیمتی جانوں کا ضیاع روز کا معمول بن چکا ہے۔ دوسری جانب کوئٹہ کراچی شاہراہِ پر سفر کرنا عذاب الٰہی بن چکا ہے۔ لکپاس ٹنل چیک پوسٹ پر دو سے تین گھنٹے ٹریفک معطل ہونا روز کا معمول بن چکا ہے۔ اس قیامت خیز سردی میں گھنٹوں ٹریفک معطل ہونے سے مسافروں بالخصوص خواتین بچوں اور مریضوں کو انتہائی مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مذکورہ پوائنٹ پر کوئی سہولت بھی نہیں ہے۔ بلوچستان کے عوام حکومت سے گزشتہ کئی برسوں سے لکپاس ٹنل چیک پوسٹ کو ہٹانے کا مطالبہ کرتے چلے آرہے ہیں لیکن کوئی شنوائی نہیں ہو رہی ہے کیونکہ لکپاس ٹنل بلوچستان میں واقع ہے۔ نوشکی، دالبندین، چاغی، خاران، واشک، پنجگور، تربت، گوادر، نوکنڈی اور تفتان جانے والوں کے علاوہ زائرین اور سیاحوں کو بھی لکپاس ٹنل کے اذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایف سی کے چیک پوسٹوں سے گزر کر کوئٹہ سے کراچی جانے والی مسافر کوچیں الصبح تین سے چار بجے اوتھل کوسٹ گارڈ پر پہنچتی ہیں۔ بیک وقت پانچ سے چھ کوچیں کوسٹ گارڈ اوتھل پہنچتی ہیں۔ سخت سرد موسم میں کوچوں کے مسافروں کو جن میں خواتین بچے مریض شامل ہیں۔ سب کو بسوں سے نیچے اتار کر دوسری جانب کھلے میدان میں کھڑا کرتے ہیں۔ شاید پورے پاکستان میں یہ انوکھا طریقہ کوسٹ گارڈ والے بلوچستان میں کرتے ہیں۔ کوسٹل ایریا کے تحفظ کی ذمہ داری کوسٹ گارڈ کی ہے۔ حکومت بلوچستان نے نہ جانے کن وجوہات اور مجبوری کی بنا پر کوسٹ گارڈ کو اختیارات دیے ہیں۔ بلوچستان جانے والے جب سندھ میں داخل ہوتے ہیں تو جیسے ہی سندھ کا ایریا شروع ہوتا ہے تو رینجرز چیک پوسٹ پر بلوچستان سے آنے والے مسافروں کا استقبال کرتے ہیں۔ وقت کے ضیاع کے ساتھ مسافروں کو مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بلوچستان سے کراچی جانے والوں میں 60 فی صد سے زائد مسافر علاجِ معالج اور 30 فی صد مسافر تاجر ہوتے ہیں۔ دوسری جانب کوئٹہ کراچی شاہراہِ پر مختلف جگہوں پر شاہراہِ کی بندش سے مسافروں کے مشکلات دشواریوں اور وقت کے ضیاع میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ بلوچستان کے عوام کو سفر علاجِ معالج اور دیگر بنیادی سہولیات کی فراہمی کے لیے عملی طور پر اقدامات کرنے کی ضرورت ہیں۔ بلوچستان میں شاہراہوں کو ڈبل وے کرنے کے لیے حکمت عملی وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ لکپاس ٹنل چیک اوتھل کوسٹ گارڈ چیک پوسٹ کو مسافروں کے مشکلات دشواریوں اور وقت کے ضیاع کے پیش نظر فوری طور پر ہٹانے کے لیے اقدامات کی ضرورت ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف آواز اٹھائیں۔

(محمد سعید)

دریائے سندھ میں سے نہریں نکالنے اور کارپوریٹ فارمنگ کے خلاف احتجاج

عمرکوٹ 9 جنوری کو سامارو شہر میں پیپلز پارٹی کے کارکنان پیر حماد جان سرہندی، پیر امجد جان سرہندی، بیوپاری ایسوسی ایشن صدر شکیل احمد قائم خانی، آباد گار رہنماؤں ہیر عباد جان سرہندی، پیر اسماعیل جان سرہندی، بابر خاصخیلی، یوسی چیئرمینوں وقار ذوالفقار خاصخیلی، جمال خان بھرگڑی، پ؛ ٹی آئی کس ڈویژنل رہنما اکبر پلی اور دوسروں کی رہنمائی میں پیر گوٹھ سے سامارو تک پانچ کلومیٹر ریلی نکالی گئی۔ ریلی میں درجنوں گاڑیاں، ٹریکٹر اور ٹریکٹر ٹرالیاں شامل تھیں۔ ریلی مختلف مقامات پر ہوتی ہوئی پریس کلب سامارو پہنچی، جہاں احتجاجی مظاہرہ کیا گیا جس کے باعث 3 گھنٹوں تک روڈ بلاک رہا۔ اس موقع پر مذکورہ رہنماؤں نے کہا کہ دریائے سندھ ہماری زندگی اور زندہ رہنے کا ذریعہ ہے۔ جس میں سے غیر قانونی طور پر 6 کینال نکالنے سے سندھ میں پینے کا پانی بھی نہیں مل سکے گا۔ انھوں نے مزید کہا کہ سندھ کی زمینوں پر کارپوریٹ فارمنگ کے نام پر قبضہ کیا جا رہا ہے جو کہ انہیں کسی صورت قبول نہیں ہے۔ ہم سندھ کا ایک انچ اور ایک قطرہ پانی کا بھی نہیں دیں گے۔ اب سندھ بچاؤ تحریک چلائی جائے گی۔ احتجاج کا دائرہ بڑھا کر سندھ کے کونے کونے میں جائیں گے۔

(نامہ نگار)

نوجوان کو قتل کر دیا

نوشہرو فیروز 13 جنوری کونواحی گاؤں یوسف بھنبر و میں چھریوں کے پے در پے وار کر کے نوجوان کو قتل کر دیا گیا، ملزمان فرار، بھائی کی مدعیت میں چار افراد کے خلاف مقدمہ درج، واقعہ پرانی دشمنی کا شاخسانہ ہے، پولیس۔تفصیلات کے مطابق پڈعیدن کے قریب گاؤں یوسف بھنبر و میں محنت کش نوجوان انیس ولد قابل بھنبر و کو ملزمان نے چریوں کے پے در پے وار کر کے مبینہ شدید زخمی کر دیا اور فرار ہوگئے واقع کی اطلاع پر اہلے علاقہ نے پولیس کی مدد سے زخمی نوجوان کو پڈعیدن اسپتال منتقل کیا گیا جہاں انتہائی تشویشناک حالت میں نوابشاہ منتقل کیا جا رہا تھا کہ راستے میں ہی زخموں تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا، پڈعیدن پولیس نے ضروری کاروائی کے بعد لاش ورثہ کے حوالے کر دی۔ لاش گھر پہنچنے پر کہرام مچ گیا۔مقتول کے بھائی صابر بھنبر و نے میڈیا کو بتایا کہ بھائی مزدوری پر جا رہا تھا کہ ملزمان نے بے گناہ قتل کیا ہے۔ ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے ملزمان کو فوری گرفتار کر کے قرار واقع سزا دی جائے۔دوسری جانب پڈعیدن تھانہ کے ہیڈ محرر محبوب سیال کے مطابق واقع پرانی دشمنی کا شاخسانہ ہے۔ واقعہ کا مقدمہ مقتول کے بھائی صابر کی مدعیت میں درج کر لیا گیا ہے۔ فرار ملزمان کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارے جا رہے ہیں، جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ (الطاف حسین

ملازمین کو مشکلات کے سامنا

چمن گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن ضلع چمن کے نائب سیکرٹری اطلاعات مولوی محمد نسیم صفدر نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے نمائندے کو بتایا کہ وزیر اعلیٰ بلوچستان سرفراز بگٹی کی جانب سے سرکاری ملازمین کی تنخواہوں سے یتیموں کے لیے ماہانہ 500 روپے کٹوتی کا اعلان انتہائی قابل مذمت ہے۔ یہ فیصلہ ان ملازمین کے ساتھ ناانصافی ہے جو پہلے ہی مہنگائی اور کم آمدنی کے سبب مشکلات کا شکار ہیں۔ حکومت کا کام فلاحی منصوبوں کے لیے اپنے وسائل پیدا کرنا ہے، نہ کہ ملازمین کی محدود تنخواہوں پر ڈاکا ڈالنا۔ ہم واضح الفاظ میں مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت اس غیر منصفانہ فیصلے کو فوری طور پر واپس لے اور یتیموں کی کفالت کے لیے کسی مناسب اور قابل عمل منصوبے کا اعلان کرے، جو عوام کے لیے بوجھ نہ بنے۔ اگر یہ فیصلہ واپس نہ لیا گیا تو ہم ہر فورم پر اس کے خلاف آواز بلند کریں گے۔

(محمد صدیق)

پاک افغان بارڈر چمن کی بندش سے عوام سخت مشکلات کا سامنا

چمن پاک افغان باڈر کی بندش سے چمن عوام کی معاشی قتل عام اور اپیکس کمیٹی میں یک طرفہ جبرا نا جائز ون ڈاکومنٹ رجیم پاسپورٹ فیصلہ کے خلاف جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام عظیم الشان عوامی احتجاجی مظاہرہ بغرہ روڈ الحاج مولانا حافظ عبدالظاہر صاحب مدرسے سے ہزاروں عوام پر مشتمل احتجاجی مظاہرہ شروع ہو کر شہر کے مختلف روڈوں سے ہوتے ہوئے مال روڈ، ڈی سی کمپلیکس کے سامنے ایک بڑے عوامی جلسہ عام میں تبدیل ہوا۔جلسہ عام سے جے یو آئی بلوچستان کے صوبائی امیر و سینیٹر محسن بلوچستان مولانا عبدالواسع صاحب، ناظم عمومی و سابق ایم این اے مولانا آغا محمود شاہ صاحب، جیو آئی بلوچستان کے صوبائی ناظم مالیات حاجی غوث اللہ اچکزئی صاحب، ضلع چمن امیر مولانا عبدالمنان صاحب، صوبائی سرپرست شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمد یوسف صاحب، صوبائی سرپرست شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ حسین احمد شرودی صاحب، صوبائی اطلاعات حاجی دلاور خان کاکڑ صاحب، پارلیمانی واپوزیشن لیڈر میر یونس عزیز زہری، صوبائی نائب امیر صاحبزادہ مولانا کمال الدین صاحب، صوبائی ڈپٹی جنرل سیکریٹری حاجی محمد نواز کاکڑ صاحب، مولانا منظور احمد مینگل صاحب، ایم پی اے ظفر آغا صاحب، تحصیل صدر امیر مفتی محمد قاسم، تحصیل سٹی امیر مولانا شمس اللہ، اور مولانا محمد میر، قاری محمد سلیم صاحب۔ ڈاکٹر رمضان اسحاق صاحب۔ حافظ شبیر احمد مولوی محمد ایوب و دیگر نے خطاب کیا۔اسٹیج سیکرٹری اور قرار دادیں پیش کرنے کے فرائض ضلعی سیکرٹری اطلاعات عبدالوارث جانثار نے سرانجام دیے۔مقررین نے اپنے خطاب میں کہا کہ ضلع چمن اور ضلع قلعہ عبداللہ کے مقامی لوگ پاک افغان بارڈر کے دونوں لاکھوں ایکڑ زمین پر مشتمل صدیوں سے آباد ہے جس سے سرکاری اصطلاح میں شتشاہی کہتے ہیں اس لیے چمن قلعہ عبداللہ لوگوں کے آمد و رفت بذریعہ پاکستان کے قومی شناختی کارڈ اور افغان تزکیرہ سے کیا جائے کیونکہ آج تقریبا 15 مہینے سے پہلے جو نگران وفاقی حکومت میں ون ڈاکومنٹ رجیم پاسپورٹ فیصلہ یہاں کے مقامی اقوام کیلئے ناجائز اور یک طرفہ فیصلہ ہے۔ لہذا حکومت وقت اپیکس کمیٹی میں طے شدہ فیصلے پر نظر ثانی کرے کیونکہ پاک افغان بارڈر کی بندش اور پاسپورٹ کے نافذ کرنے کے فیصلے سے چمن قلعہ عبداللہ کے عوام پر روزگار کے دروازے بند ہو گئے ہے جیسا کہ آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ چمن میں نہ کوئی کارخانہ ہے اور نہ صنعت نہ ٹیکسٹائل نہ زراعت اور نہ دیگر ذرائع روزگار۔لہذا حکومت وقت درج ذیل حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مقامی لوگوں کیلیے پرانہ طریقہ کار پر کاروبار اور روزگار کے حصول میں تعاون فرما کر اجازت دی اور ساتھ ہی بین الاقوامی قانون میں جو بارڈروں پر رہائش پذیر لوگوں کیلیے جو سہولتیں دی جاتی ہے وہ یہاں چمن کے بارڈر پر بھی دی جائے۔انہوں مزید کہا کہ پاک افغان بارڈر 240 کلو میٹر پر محیط ہے اور جو خاردار تار پر نزدیک ترین مقامی لوگوں کیلیے جو گیٹ بنائے گئے ہیں انہیں مقامی لوگوں کی سہولت کیلیے کھول دیا جائے تاکہ وہ اپنے کھیتی باڑی کیلیے امان، ٹریکٹر، گندم، بھوسہ اور بھیڑ بکریاں بوقت ضرورت اسی گیٹوں پر لاسکیں۔اسی طرح مقررین نے اپنے خطاب میں کہا کہ پاک افغان بارڈر پر صدیوں سے آباد اقوام کے درمیان خونی رشتہ داریاں، قبرستان، گاؤں، مساجد مشترک ہیں۔لہذا دونوں ملکوں کے پالیسی ساز حلقوں سے گزارش ہے کہ وہ شادی جنازے، بیمار، بوڑھے، عورتیں، بچوں کے لیے ایک علیحدہ میکنزم بنائیں تاکہ وہ آسانی سے بغیر تکلیف سے آمد و رفت کر سکیں۔لہذا ان معذوروں کا خصوصی خیال رکھتے ہوئے انہیں باقاعدہ پاک افغان بارڈر پر خصوصی پیکج سے روزگار کرنے کی اجازت دیں تاکہ وہ زندگی کے اس مشکل ترین دور میں ایک فعال شہری کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

(محمد صدیق)

طورخم بارڈر پر دھرنا دینے والوں کا بنیادی مطالبہ کیا ہے؟

خیبر طورخم بارڈر پر کسٹم کلیئرنگ ایجنٹس، ٹرانسپورٹرز اور تاجروں کو درپیش مسائل اور مشکلات کے حوالے سے احتجاجی ریلی نکالی جائے گی۔ مجیب شینواری، صدر طورخم کسٹم کلیئرنگ ایجنٹس ایسوسی ایشن۔طورخم بارڈر: کسٹم کلیئرنگ ایجنٹس، تاجر برادری، اور ٹرانسپورٹرز نے طورخم بارڈر پر آئے روز نئی پالیسیوں اور تجارتی سرگرمیوں میں حائل رکاوٹوں کے خلاف احتجاجی دھرنا شروع کر دیا۔طورخم کسٹم کلیئرنگ ایجنٹس ایسوسی ایشن کے صدر مجیب شینواری نے کہا کہ طورخم بارڈر پر کسٹم کلیئرنگ ایجنٹس، ٹرانسپورٹرز اور تاجروں کو درپیش مسائل اور مشکلات کے حوالے سے احتجاجی ریلی نکالی جائے گی۔انہوں نے کہا کہ طورخم بارڈر پر تجارتی سرگرمیوں میں آئے روز نئی پالیسیوں کے نفاذ، پلانٹ پروٹیکشن ڈیپارٹمنٹ اور دیگر ڈیپارٹمنٹس کی طرف سے درپیش مسائل اور مشکلات سے احتجاج پر مجبور ہو گئے ہیں۔انہوں نے کہا کہ تمام مطالبات تسلیم ہونے تک احتجاج جاری رہے گا۔اس موقع پر قاری نظیم گل شینواری اور حاجی واحد شینواری کے علاوہ دیگر تاجر رہنماء بھی موجود تھے۔ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ طورخم بارڈر پر تجارت کو آسان بنایا جائے تاکہ دونوں ممالک کے تجارتی حجم میں اضافہ ہو۔ (مسعود شاہ)

دنیا بھر میں بچوں کو بحرانوں کے ایک نئے دور کا سامنا، یونیسف

---- موسمیاتی تبدیلی، نابرابری اور جنگوں کے باعث دنیا بھر میں کروڑوں بچوں کی زندگیاں بری طرح متاثر ہو رہی ہیں اور ان کے لیے اچھے مستقبل کے مواقع محدود ہوتے جا رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کے عالمی ادارہ برائے اطفال (یونیسف) کے تازہ ترین جائزے میں بتایا گیا ہے کہ بین الاقوامی قانون کی پامالی سے بچوں کی زندگی کو خطرات لاحق ہیں، وہ بھوک اور بیماریوں کا آسان شکار بن رہے ہیں اور انہیں نقل مکانی پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔ یونیسف یہ رپورٹ ہر سال کے آغاز پر جاری کرتا ہے جس میں اُس برس بچوں کے لیے ممکنہ خطرات اور انہیں تحفظ دینے کے طریقوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔

2025' میں بچوں کے لیے امکانات: مستقبل کے لیے مستحکم نظام کی تعمیر' کے عنوان سے جاری کردہ یہ رپورٹ قومی سطح پر ایسے نظام مضبوط کرنے کا تقاضا کرتی ہے جن کے ذریعے بچوں پر بحرانوں کے اثرات میں کمی لائی جائے اور انہیں درکار مدد تک ان کی رسائی یقینی ہو سکے۔

مسلح تنازعات اور بچوں کے مسائل

رپورٹ کے مطابق، رواں سال مسلح جنگوں کے باعث بچوں کو لاحق سنگین خطرات برقرار رہیں گے جبکہ ان کی شدت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت دنیا کو دوسری عالمی جنگ کے بعد سب سے بڑی تعداد میں جنگوں کا سامنا ہے۔ 473 ملین بچوں کا تعلق مسلح تنازعات کا شکار علاقوں سے ہے۔ 1990 کی دہائی کے بعد ایسی جگہوں پر رہنے والے بچوں کی تعداد 10 فیصد سے بڑھ کر 19 فیصد تک پہنچ گئی ہے۔

بڑھتی ہوئی ارضی سیاسی مخاصمت اور کثیرفریقی اداروں کے 'مفلوج' ہو جانے کے باعث ریاستیں اور غیر ریاستی کردار بین الاقوامی قوانین کو نظر انداز کر رہے ہیں جنہیں شہریوں کے تحفظ کی خاطر بنایا گیا تھا۔ اس طرح جنگوں میں سکولوں اور ہسپتالوں پر حملے عام ہو گئے ہیں جن سے بچے براہ راست متاثر ہو رہے ہیں۔

(نامہ نگار)

بنیادی طبی سہولیات کی قلت

نوشکی 21 ویں صدی میں بھی نوشکی ڈسٹرکٹ کی خواتین ٹیچنگ ہسپتال میں گائنوجیسٹ لیڈی ڈاکٹر نہ ہونے کی وجہ سے گزشتہ 10 ماہ سے صحت کے بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔ خواتین بلخصوص سروس کرنے والی خواتین کو ڈیلوری کیسز کے دوران بیڈ ریسٹ سرٹیفکیٹ کے حصول کے لیے مشکلات اور دشواریاں پیش آتی ہیں۔ پرائیویٹ لیڈی ڈاکٹروں کی چاندی ہوگئی ہے، غریب خواتین پرائیویٹ کلینکس میں علاج معالجہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتیں۔ پورے ڈسٹرکٹ میں کسی بھی مرکز صحت میں لیڈی ڈاکٹروں کی آسامیاں عرصہ دراز سے خالی ہیں جس کی وجہ سے ڈسٹرکٹ نوشکی کے خواتین کو جن مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ صحت کے بنیادی سہولیات کی فراہمی میں محکمہ صحت اور عوامی نمائندوں کی عدم توجہی بھی سوالیہ نشان ہے۔ نوشکی ڈسٹرکٹ میں خواتین کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجیحی بنیادوں پر میرگل خان نصیر ٹیچنگ ہسپتال میں گائنوجیسٹ لیڈی ڈاکٹروں آئی اسپشلسٹ اور دیگر ڈاکٹروں کی عرصہ دراز سے خالی آسامیوں پر ڈاکٹروں کی تعیناتی عمل میں لانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔

(محمد سعید)

سیاسی و مذہبی رہنماؤں کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کی تنبیہ

جمرود پولیس ملک نصیر احمد اور ملک سیدغہ جان کے خلاف جھوٹی ایف آئی آر فوری طور پر ختم کر کے ان کو جلد رہا کرے بصورت دیگر پورے ملک میں احتجاج شروع ہوگا۔ جماعت اسلامی کے رہنما شاہ فیصل آفریدی نے اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ جمرود پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ وہ جمرود سے تعلق رکھنے والے مشران ملک نصیر احمد اور ملک سیدغہ جان کو فوری طور پر رہا کرے اور ان کے خلاف تمام جھوٹی ایف آئی آرز ختم کی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ عجیب قانون ہے کیونکہ ان مشران نے ڈی آئی خان اور چترال کبھی دیکھا بھی نہیں ہے اور وہاں بھی ان دونوں مشران کے خلاف ایف آئی آر کاٹی گئی ہے جو غیر قانونی اور غیر آئینی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بڑی افسوس اور ظلم کی بات ہے کہ یہاں جو شخص اپنے اپنی قوم کے حقوق کے لئے آواز اٹھاتا ہے اسے گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ جمعرات کے روز نصیر احمد اور سیدغہ جان کی گرفتاری کے خلاف جمرود میں جو احتجاج ہوگا اس میں بھرپور شرکت کریں گے۔

(منظور آفریدی)

دریا سے نوجوان کی نعش برآمد

چنیوٹ 5 جنوری کو دریائے چناب سے ایک نوجوان کی نعش برآمد ہوئی ہے جو لاپتہ تھا۔ ملزم برخوردار نے ساتھی ملزمان کے ساتھ مل کر غلام محمد اور اپنی بیوی کو قتل کیا۔ ایس ایچ او تھانہ محمد والا سب انسپکٹر محمد صفدر نے ٹیم کے ہمراہ چھاپہ مار کر ملزم کو حراست میں لے لیا ہے۔ مقتول غلام محمد کی نعش دریائے چناب سے اور مقتولہ تسلیم بی بی کی نعش فصل کماد سے برآمد ہوئی ہے۔ واقعہ کی بابت تھانہ محمد والا میں مختلف دفعات کے تحت مقدمات درج ہیں۔

(سیف علی خان)

کرم جانے والے قافلے پر فائرنگ

پاراچنار اطلاعات کے مطابق 16 جنوری کو لوئر کرم بگن میں پھر قافلے پر حملہ فورسز کے ایک اہلکار شہید چار زخمی۔ جوابی کاروائی میں چھ حملہ اور ہلاک دس زخمی ہو گئے۔ 29 گاڑیوں کے ڈرائیوروں اور کنڈکٹرز کے ساتھ رابطہ منقطع۔ ضلعی انتظامیہ اور پولیس کے مطابق ٹل شہر سے آج 35 گاڑیوں کو ضلع کرم روانہ کیا گیا۔ جونہی قافلے کی پہلی گاڑی بگن بازار پہنچی تو قافلے پر راکٹ اور خودکار ہتھیاروں سے حملہ کیا گیا جس سے تین گاڑیوں میں آگ لگ گئی۔ حملے میں ایک فورسز اہلکار شہید چار زخمی ہوگئے جبکہ فورسز کی جوابی کاروائی میں چھ حملہ اور مارے گئے اور 10 زخمی ہو گئے۔ سامان سے بھرے 35 گاڑیوں میں سے سامان سے بھرا ایک ٹرک واپس ٹل پہنچ گیا ہے جبکہ مزید پندرہ خالی گاڑیاں جنکا سامان لوٹا گیا تھا وہ بھی ٹل پہنچ گئی ہیں۔ جبکہ آج ہونے والی دوسرے قافلے کے لئے چپری چیک پوسٹ تک پہنچائی گئی۔ گاڑیوں کو ٹل اور ہنگو واپس پہنچا دیا گیا ہے پاراچنار کے تاجر رہنماؤں حیدر عباس اور ملک دلدار نے بتایا کہ ان کی آخری بار جب ڈرائیوروں سے بات ہوئی تو ڈرائیوروں کا کہنا تھا کہ ان کی گاڑیوں کو لوٹنے کے بعد آگ لگائی جا رہی ہے اور ڈرائیوروں سے موبائل چھینے جا رہے ہیں جس کے بعد ڈرائیور اور کنڈکٹروں سے رابطہ منقطع ہے۔ تاجر رہنما نظیر احمد کا کہنا تھا کہ کانوائے سے پہلے ڈرائیوروں کو دھمکی امیز کالیں آ رہی تھیں۔

(محمد حسن)

10 ہاری بازیاب

عمر کوٹ 10 جنوری کو کنری پولیس نے سیشن کورٹ عمر کوٹ کے حکم پر زمیندار موسیٰ کلر کی زرعی زمین پر چھاپہ مار کر جبری مشقت کے شکار 10 ہاری افراد کو بازیاب کروایا۔ بازیاب ہونے والوں میں ہیمی، گینو، سمجھو، جیٹھو، رانی، مکیش، گلاب، ماروی اور دیگر شامل تھے۔ ہاریوں نے الزام لگاتے ہوئے کہا کہ زمیندار ان سے سخت جبری مشقت لیتا تھا، کھانے پینے کو کچھ نہیں دیتا تھا اور حساب کتاب بھی نہیں کرتا تھا۔ عدالت نے تمام ہاریوں کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق آزاد زندگی گزارنے کی اجازت دی۔

(نامہ نگار)

تعلیم

امتیازی ٹائم اسکیل نوٹیفکیشن واپس لیا جائے

چمن چمن کے نان گزٹیڈ اساتذہ کرام نے حکومت بلوچستان کے فنانس ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے جاری کردہ ٹائم اسکیل ریوائزڈ نوٹیفکیشن پر شدید احتجاج کرتے ہوئے اسے ایک غیر منصفانہ اقدام قرار دیا ہے۔ اس فیصلے نے نہ صرف ان کی طویل خدمات کو نظر انداز کیا بلکہ ان کے حقوق پر بھی کاری ضرب لگائی ہے۔ اساتذہ کرام کا کہنا ہے کہ اس نوٹیفکیشن کے تحت ان کی تین درجے ترقی کو دو درجوں تک محدود کر دیا گیا ہے جبکہ گریڈ 16 میں خدمات انجام دینے والے اساتذہ کے لیے ترقی کے تمام راستے بند کر دیے گئے ہیں۔ مزید برآں، وہ اساتذہ جو 21 یا 25 سالہ خدمات مکمل کرنے کے بعد ترقی کے مستحق تھے ان کی سروس کو دوبارہ از سر نو سے شمار کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں انہیں مزید 9 سے 14 سال تک انتظار کرنا پڑے گا۔ اساتذہ عبدالمنان اچکزئی، مولوی ضیائالرحمان، محمد آصف اچکزئی اور نور علی اچکزئی نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے سابق ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر محمد صدیق مدنی کو بتایا کہ بلوچستان میں اساتذہ کرام کے جانب سے اس فیصلے کو ظلم اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ اقدام اساتذہ کے ساتھ کھلا مذاق ہے اور ان کی حوصلہ شکنی کا باعث بنے گا جو تعلیمی نظام کے لیے نقصان دہ ہے۔ اساتذہ نے حکومت بلوچستان سے پرزور مطالبہ کیا کہ ان کی گزشتہ خدمات کو ترقی کے لیے شمار کیا جائے۔ تین درجے ترقی کا حق بحال کیا جائے اور گریڈ 16 کے اساتذہ کے لیے ترقی کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کیے گئے تو وہ احتجاج کرنے پر مجبور ہوں گے جس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔ اساتذہ کرام نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ اپنے حقوق کے حصول کے لیے ہر ممکن جدوجہد کریں گے اور حکومت سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس مسئلے کا فوری اور منصفانہ حل نکالے گی۔ ان کا کہنا تھا کہ اساتذہ کی عزت اور ان کے حقوق کا تحفظ حکومت کی اولین ترجیح ہونی چاہیے تاکہ تعلیمی نظام کو مضبوط بنایا جا سکے۔

(محمد صدیق)

تعلیم کے عالمی دن کی مناسبت سے تقریب

چمن تعلیم انسان کی زندگی کا وہ چراغ ہے جو جہالت کے اندھیروں کو مٹا کر ترقی کی راہوں کو روشن کرتا ہے۔ ہر سال 24 جنوری کو دنیا بھر میں "تعلیم کا عالمی دن" منایا جاتا ہے تاکہ تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا جا سکے اور ان چیلنجز پر غور کیا جائے جو معیاری تعلیم کے حصول میں حائل ہیں۔ گورنمنٹ پرائمری سکول مدرسہ بحر العلوم گھوڑا ہسپتال روڈ چمن میں گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن ضلع چمن اور شمشاد رائٹرز فورم پاکستان کے اشتراک سے ایک تقریب منعقد ہوئی۔ تقریب سے شمشاد رائٹرز فورم پاکستان کے مرکزی صدر اور گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن ضلع قلعہ عبداللہ چمن کے سابق ضلعی نائب صدر حافظ محمد صدیق مدنی، ایس ڈبلیو ایف کے صوبائی جنرل سیکرٹری غلام محمد مخلص، محمد فرید نثار ایڈووکیٹ، حافظ سیف الرحمٰن صدیق، مدرسہ بحر العلوم چمن کے ناظم تعلیمات مولوی محمد عیسیٰ، مولوی نقیب اللہ اور گورنمنٹ پرائمری سکول مدرسہ بحر العلوم چمن کے تعلیمی کمیٹی پی ٹی ایس ایم سی کے چیئرمین عبیداللہ کاکوزئی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ دن ہمیں اس حقیقت کی یاددہانی کراتا ہے کہ تعلیم صرف ایک بنیادی حق نہیں بلکہ ترقی اور خوشحالی کی ضمانت بھی ہے۔ پاکستان میں تعلیم کا شعبہ کئی دہائیوں سے مشکلات کا شکار ہے۔ حالیہ مردم شماری کے مطابق ملک میں شرح خواندگی 61 فیصد ہے جو عالمی معیار سے کافی کم ہے۔ خاص طور پر خواتین اور دیہی علاقوں میں یہ شرح تشویشناک حد تک کم ہے۔ بچوں کے لیے اسکولوں کی کمی، معاشرتی رکاوٹیں، اور وسائل کی عدم دستیابی ان کے تعلیمی خواب کو چکنا چور کر دیتی ہیں۔ ملک کے دیہی علاقوں میں اسکولوں کی تعداد نہایت کم ہے، جبکہ موجودہ اسکول بھی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔ اس کے علاوہ، لاکھوں بچے غربت کی وجہ سے تعلیم کے بجائے مزدوری پر مجبور ہیں۔ ناقص تعلیمی نظام، اساتذہ کی کمی، اور غیر معیاری نصاب جیسے مسائل بھی طلبہ کی تعلیمی کارکردگی پر منفی اثر ڈال رہے ہیں۔ مقررین نے مزید کہا کہ رکاوٹوں کے باوجود پاکستان میں تعلیم کے فروغ کے لیے بے شمار مواقع موجود ہیں۔ حکومت اور غیر سرکاری تنظیمیں مل کر ایسے منصوبے بنا سکتی ہیں جو تعلیم تک رسائی کو ممکن بنائیں۔ خاص طور پر دیہی علاقوں میں اسکولوں کی تعمیر، تربیت یافتہ اساتذہ کی فراہمی، اور صنفی مساوات کو فروغ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے ذریعے تعلیم کو عام کرنا بھی ایک موثر حکمت عملی ہو سکتی ہے۔ آن لائن کلاسز اور ای لرننگ پلیٹ فارمز کے ذریعے دور دراز کے علاقوں میں بچوں کو معیاری تعلیم فراہم کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ، حکومت کو تعلیمی بجٹ میں اضافہ کرنا ہوگا تاکہ تعلیمی اداروں کی حالت بہتر ہو سکے اور زیادہ سے زیادہ بچوں کو اسکول لایا جا سکے۔ انہوں نے مزید کہا کہ تعلیم کے عالمی دن کا مقصد صرف ایک دن منانے تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔ یہ دن ہمیں اپنے فرائض کا جائزہ لینے اور تعلیم کے فروغ کے لیے عملی اقدامات کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہر فرد کو اپنے حصے کی ذمہ داری سمجھنا ہوگی۔ اساتذہ کو معیاری تعلیم فراہم کرنی چاہیے، والدین کو بچوں کی تعلیم کو اولین ترجیح دینی چاہیے، اور معاشرہ تعلیم کے فروغ کے لیے مثبت کردار ادا کرے۔ تعلیم صرف ایک حق نہیں بلکہ وہ طاقت ہے جو فرد اور معاشرے کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ آیئے، اس دن کو صرف منانے تک محدود نہ رکھیں بلکہ علم کے فروغ کے لیے عملی اقدامات کریں تاکہ ایک روشن اور مہذب پاکستان کی بنیاد رکھی جا سکے۔ مقررین نے مزید کہا کہ تعلیم نہ صرف انفرادی شخصیت کو سنوارتی ہے بلکہ معاشرتی ڈھانچے کو مضبوط بناتی ہے۔ تعلیم کا عالمی دن ہمیں موقع فراہم کرتا ہے کہ ہم ان وجوہات پر غور کریں جو ہمارے ملک میں معیاری تعلیم کے فروغ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں اور ان کا حل تلاش کریں۔

(محمد صدیق)

سکول کے قریب فائرنگ سے طالبات و اساتذہ دہشت کا شکار

خیبر 16 جنوری کو جمرود، گورنمنٹ گرلز ہائیر سکینڈری سکول کلنگا باڑہ کے قریب دن 12 بجے شدید فائرنگ سے خواتین اساتذہ و طالبات کی بھگدڑ سے متعدد بچیاں معمولی زخمی جبکہ ایک لیڈی ٹیچر بے ہوش ہوگئی تھی۔ ذرائع کے مطابق فائرنگ سکول کے قریب دو گروپوں میں کسی ذاتی تنازعے پر ہوئی جسکی شدت زیادہ تھی اور سکول میں موجود خواتین اساتزہ اور طالبات خوف سے پریشان ہوئے۔ فائرنگ سے سکول یا بچوں کو نقصان تو نہیں ہوا، البتہ فائرنگ قریب ہونے کی وجہ سے طالبات اور اساتذہ کی بھگدڑ مچ گئی اور متعدد بچیاں زمین پر گرنے سے معمولی زخمی ہوئیں۔ اسی طرح ایک خاتون ٹیچر بے ہوش ہوگئی۔ طالبات کے والدین نے محکمہ پولیس سے مطالبہ کیا ہے کہ فائرنگ کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔ اس حوالے سے محکمہ تعلیم و مقامی سکول کے پرنسپل نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔

(منظور آفریدی)

اقلیتیں

احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کا سلسلہ جاری

شیخوپورہ تھانہ سٹی فاروق آباد کی حدود میں احمدیہ قبرستان میں 21 اور 24 جنوری کو کل 40 قبروں کے کتبے توڑے گئے۔ احمدیوں کے گھروں سمیت مختلف مقامات پر احمدیوں کے خلاف نفرت انگیز وال چاکنگ۔ 21 جنوری کو تھانہ سٹی فاروق آباد ضلع شیخوپورہ میں 7 احمدیوں کی قبروں کے کتبوں کو نامعلوم شرپسندوں نے توڑ دیا۔ نیز احمدیوں کے گھروں کے باہر نفرت انگیز وال چاکنگ کی گئی جس کے بارہ میں پولیس کو رپورٹ کی گئی۔ جس پر کچھ جگہوں پر وال چاکنگ ختم کروادی گئی۔ شرپسند عناصر کے خلاف کارروائی نہ ہونے پر ان کے حوصلے مزید بلند ہوئے اور 24 جنوری کی رات کو شرپسندوں نے اسی قبرستان میں مزید 33 کتبوں کو توڑ دیا۔ اس طرح 40 کتبوں کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ یہ قبرستان 35 سال پرانا ہے۔ ترجمان جماعت احمدیہ پاکستان عامر محمود نے محبّ وطن اور پر امن احمدیوں کے خلاف نفرت انگیز وال چاکنگ اور احمدیہ قبرستان میں 40 احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ انتظامیہ شرپسند عناصر کو روکنے سے گریزاں ہے۔ جب چند دن پہلے احمدیوں کی قبروں کے کتبے توڑے گئے اور اشتعال انگیز وال چاکنگ کی گئی تو انتظامیہ کو ان شرپسندوں کو گرفت میں لینا چاہیے تھا جو سر عام احمدیوں کے خلاف وال چاکنگ کر رہے تھے۔ ترجمان نے مطالبہ کیا کہ عقیدے کے اختلاف کی بنا پر احمدیوں کے خلاف نفرت انگیز وال چاکنگ کرنے والوں اور احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کرنے والوں کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے۔

(عامر محمود)

احمدی عبادت گاہ کی مسماری

سیالکوٹ 16 جنوری 2025 کو محلّہ چوہدریاں ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں واقع قیام پاکستان سے قبل کی تعمیر کردہ جماعت احمدیہ کی قدیمی عبادت گاہ کو ناجائز تجاوزات کی آڑ میں مسمار کر دیا گیا۔ مزکورہ عبادت گاہ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان نے تعمیر کروائی تھی۔ 16 جنوری 2025ء کو ڈسکہ کلاں ضلع سیالکوٹ کی احمدیہ بیت الذکر کو انتظامیہ نے مسمار کر دیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق ڈسکہ شہر میں سڑکوں کی تنگی اور رش کی کیفیت کی وجہ سے انتظامیہ کی طرف سے مختلف راستوں پر موجود کاروباری اور رہائشی عمارتوں کے مالکان کو نوٹس جاری کئے گئے تھے اور دو روز کے اندر ان تجاوزات کو ختم کرنے کا کہا گیا تھا۔ احمدیہ بیت الذکر کے حوالے سے جو نوٹس موصول ہوا تھا اس میں 13 فٹ ناجائز تجاوزات کا ذکر تھا۔ چنانچہ مقامی طور پر احمدیوں نے فیصلہ کیا کہ جماعت از خود زائد حصہ کو ختم کر کے دیوار اور دیگر حفاظتی انتظامات کر لے۔ بلدیہ کے ملازمین نے آکر اس کی نشاندہی کر دی تھی جس کے مطابق سامنے والی دیوار ایک طرف سے 13 اور دوسری طرف سے 9 فٹ زیادہ تھی۔ انتظامیہ کی طرف سے 14 جنوری کو نوٹس موصول ہوا تھا اور نوٹس کے مطابق 15 جنوری کو اندر والی طرف دیوار تعمیر کر دی گئی جس کو انتظامیہ نے بھی سراہا تھا۔ بعد ازاں 16 جنوری کو اچانک شام کے بعد AC ڈسکہ ماہم مشتاق دیگر انتظامیہ اور پولیس کے ہمراہ آئیں۔ انہوں نے علاقہ کی بجلی منقطع کی اور بیت الذکر کی دونوں اطراف کو بند کر کے آپریشن کا آغاز کیا اور رات 7 بجے سے لیکر 11 بجے تک کارروائی کی گئی۔ جب انتظامیہ نے نوٹس کے مطابق زائد حصہ کو گرا دیا تو عبادتگاہ میں موجود احباب جماعت نے انتظامیہ کو کہا کہ آپ کی متعلقہ حدود مکمل ہوگئی ہیں۔ جس پر کرین چلانے والے نے ان افراد کو کہا کہ پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ آپ پر بھی کرین چڑھا دونگا۔ چنانچہ AC اور دیگر انتظامیہ سے ملنے کے لئے رابطہ کیا گیا جو قریب ہی کسی جگہ پر تھیں، تاہم ان سے ملنے نہیں دیا گیا اور نہ ہی وہ خود سامنے آئیں۔ کارروائی جاری رکھتے ہوئے۔ انتظامیہ نے عبادتگاہ کو مکمل مسمار کر دیا۔ اس دوران وہاں موجود افراد تاجدار ختم نبوت اور ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ناجائز تجاوزات کا بہانہ کر احمدیہ بیت الذکر کو نشانہ بناتے ہوئے گرایا گیا ہے۔ یہ بیت الذکر قیام پاکستان سے قبل کی تعمیر شدہ ہے اور پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی آبائی عبادتگاہ ہے۔ یہاں 32 احمدی گھرانے آباد ہیں۔ (عامر محمود)

قومی کمیشن برائے اقلیت میں تمام اقلیتوں کی نمائندگی ہونی چاہیے، پیٹر جیکب

راولپنڈی ادارہ برائے سماجی انصاف کے زیر اہتمام وفاقی دارالحکومت میں اقلیتوں کو حقوق تک رسائی کے لیے آزاد خود مختار اقلیتی کمیشن کے قیام کے حوالہ سے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا، کانفرنس میں سیاسی سماجی قانونی ماہرین سمیت میڈیا نمائندگان نے شرکت کی۔ کانفرنس کے آغاز پر آزاد خودمختار اقلیتی کمیشن برائے پاکستان کے قیام کی افادیت اہمیت اور معاشرے میں کمیشن کے کام کرنے کے طریقہ کار پر ڈائریکٹر این سی جی پی پاکستان پیٹر جیکب نے شرکا کو بریفنگ دیتے ہوئے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کیا اور بتایا کہ بہترین کامیاب نظام جمہوریت میں معاشرے کی اکائیوں کا ایک ساتھ مل کر چلنا مضبوط نظام کا واحد راستہ ہے، قومی کمیشن برائے حقوق اقلیت زمینی حقائق کے تابع رہ کر کام کرنے کی اجازت اور اختیارات تفویض کیے بغیر اقلیتوں کی قومی سطح پر حقوق میں نمائندگی ناممکن تصور ہوتی ہے، ایک ایسا با اختیار اور فعال قومی کمیشن برائے اقلیت قائم ہو جس میں تمام اقلیتوں کے نمائندگی ہو، سینٹر فرحت اللہ بابر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آئین کے مطابق اقلیتوں کے حقوق کی رسائی ان کے تحفظات کے خاتمہ کو یقینی بنانے کے لیے کمیشن کو وزارت مذہبی امور کی بجائے وزارت ہیومن رائٹس سے منسلک ہونا چاہیے، حقوق کا تعلق جس ادارہ سے ہے کمیشن اسی کے تابع ہو، انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ کے حکم پر قائم ون مین کمیشن کی اقلیتوں کے حقوق پر کام کرنیکی کارکردگی احسن ہے اس کے بہترین کاموں سے فائدہ اٹھایا جائے، کمیشن کا دائرہ کار اسلام آباد تک محدود نہ ہو اس میں 18 ویں ترمیم کے مطابق صوبوں سے بھی نمائندگی لی جائے اور کمیشن کو مرکزی ہونے کے تاثر سے دور رکھا جائے۔ ماہر تجزیہ کار انسانی حقوق ڈاکٹر اے ایچ نیئر نے کہا کہ کمیشن اقلیتوں کے حقوق کی نمائندگی یا رسائی کے لیے ہے تو اس میں نمائندگی بھی اقلیتوں کی ہونی چاہیئے، ایڈووکیٹ انیق ضیا ڈائریکٹر لیگل انٹرنیشنل مانیٹرنگ کمیشن نے کہا کہ کمیشن کو زیادہ فعال اور موثر بنانے کے لیے کارکردگی رپورٹس کو پارلیمنٹ کا حصہ بنانا چاہیے۔

(بشکریہ روزنامہ پاکستان)

عورتیں

بیوی کو قتل کر دیا

میانوالی 11 جنوری کو گھریلو ناچاقی پر ایک ماہ کی نئی نویلی دلہن کو اپنے خاوند نے فائرنگ کر کے کر قتل کر دیا۔تفصیلات کے مطابق تھانہ واں بھچراں کے علاوہ چاندنی میں گھریلو ناچاقی پر ایک ماہ کی نئی نویلی دلہن کو اس کے شوہر قیصر سوئی نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا اور فرار ہو گیا۔ڈی پی او میانوالی نے واقعہ کا نوٹس لیکر کر رپورٹ طلب کر لی،ڈی ایس پی سرکل مودی خیل نے واقعہ کی اطلاع ملتے ہی جائے وقوعہ کا وزٹ کیا،اور ایس ایچ او تھانہ واں بھچراں پولیس کی نفری کے ہمراہ جائے وقوعہ پر پہنچے انویسٹی گیشن ٹیم نے شواہد اکھٹے کئے۔نعش کو ہسپتال منتقل کیا گیا اور مقدمہ درج ملزم کی گرفتاری کیلئے ٹیم تشکیل دے دی گئی۔

(محمد رفیق)

ذہنی معذور لڑکی سے مبینہ زیادتی کرنے والا مرکزی ملزم گرفتار

اوکاڑہ تھانہ صدر رینالہ خورد کے علاقہ 16 دن اے ایل میں ذہنی معذور لڑکی 22 سالہ زینب کو مقامی رہائشی دو بھائیوں عرفان اور رضوان نے قریبی فصلوں میں لے جا کر باری باری جنسی تشدد کا نشانہ بنایا۔لڑکی کے بھائی نوید کی شکایت پر پولیس نے فوری طور پر دونوں ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کرتے ہوئے ایک مرکزی ملزم عرفان کو گرفتار کر لیا ہے جبکہ دوسرے ملزم رضوان کی تلاش جاری ہے۔

(اصغر حسین حماد)

ماں بیٹا بازیاب

عمرکوٹ وومین پولیس تھانہ عمرکوٹ نے اغوا برائے شادی اور ہیومن ٹریفکنگ ایکٹ کے مقدمے میں مغویہ 28 سالہ ڈھانی زوجہ پارو بھیل اور اس کے 3 سالہ معصوم بیٹے نینو کو ایک چھاپے میں بازیاب کرا لیا۔ پولیس کے مطابق مطلوب چار ملزمان کی گرفتاری کے لئے بھی چھاپے مارے جا رہے ہیں۔مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔

(نامہ نگار)

جنسی و تولیدی حقوق کے حوالے سے 2024 میں حاصل ہونے والے 5 اہم سبق

------ تھائی لینڈ میں نوجوان جنسی و تولیدی تعلیم پر یو این ایف پی اے کے ایک تربیتی پروگرام میں شریک ہیں۔نیا سال نئی امیدیں لاتا ہے لیکن سبھی کے خواب ایک سے نہیں ہوتے۔جنگ زدہ لوگ امن و استحکام،نوجوان لڑکیاں تشدد و بدسلوکی سے پاک مستقبل اور حاملہ خواتین محفوظ زچگی کی امید رکھتی ہیں۔یہ تمام خواب تعبیر پا سکتے ہیں لیکن اس کے لیے گزرے سال سے سیکھنا ضروری ہے۔ذیل میں جانیے کہ 2024 سے ہم نے کیا سیکھا اور 2025 کو سبھی کے لیے مزید پرامن اور خوشحال برس کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

اتحاد کی ضرورت

2024 کے دوران عالمی حدت میں اضافے سے لے کر جنگوں اور بحرانوں کے باعث بڑی تعداد میں لوگوں کے بے گھر ہونے تک دنیا بھر میں بہت سے خطرناک ریکارڈ ٹوٹے۔ پہلے کی طرح اس برس بھی ان خطرات سے نمٹنے کے معاملے میں پائی جانے والی بین الاقوامی تقسیم کا سب سے زیادہ نقصان خواتین اور لڑکیوں کو ہوا۔جمہوریہ کانگو، ہیٹی،سوڈان،غزہ،یوکرین،یمن اور دیگر بہت سی جگہوں پر جاری جنگوں میں خواتین کے خلاف جنسی زیادتی اور تشدد کو جنگی ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا۔

ترقی کی راہ کا تحفظ

تیس سال پہلے آبادی اور ترقی کے موضوع پر قاہرہ میں منعقدہ کانفرنس میں دنیا بھر کے مندوبین نے اس بنیادی سچائی پر اتفاق کیا تھا کہ پائیدار ترقی کے لیے صنفی مساوات اور جنسی و تولیدی حقوق ضروری ہیں۔اس موقع پر خواتین اور لڑکیوں کو با اختیار بنانے،زچگی میں اموات اور نوعمری کے حمل میں ایک تہائی کمی لانے اور جدید مانع حمل استعمال کرنے والی خواتین کی تعداد دوگنا بڑھانے کے لیے حالات کو سازگار بنانے کے فیصلے لیے گئے تاکہ حقوق کی تکمیل ہو اور زندگیوں کو تحفظ ملے۔اگرچہ دنیا میں پائی جانے والی تقسیم کے سبب اس معاملے میں اب تک حاصل ہونے والی کامیابیوں کو خطرہ لاحق ہے،تاہم حقوق کے کارکن اور پالیسی ساز مزید پیش رفت کے لیے ثابت قدم ہیں۔خواتین اہم فیصلے لے رہی ہیں اور اپنے حقوق حاصل کر رہی ہیں۔

پس ماندگی اور اخراج

اگرچہ اس معاملے میں گزشتہ تین دہائیوں کے عرصہ میں نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں تاہم ان سے معاشرے کے سب سے زیادہ با استحقاق لوگوں کو غیر متناسب فوائد ملے ہیں۔عالمگیر آبادی کی صورتحال سے متعلق رواں سال کی رپورٹ میں کئی طرح کی پس ماندگی اور تفریق کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے باعث لاکھوں خواتین اور لڑکیاں ترقی کے ثمرات سے محروم ہیں۔یہ عدم مساوات نظام صحت اور معاشی،سماجی و سیاسی اداروں میں دیکھی جا سکتی ہے جس کے باعث بہت سی خواتین اور لڑکیاں بنیادی جنسی و تولیدی صحت اور حقوق سے محروم رہتی ہیں۔آئندہ 30 برس میں سبھی کو ترقی کے ثمرات سے مستفید کرنے کے لیے ایک نئی دنیا کا تصور درکار ہے جس میں عدم مساوات پر قابو پایا جا سکے۔

نئے تصورات کی ضرورت

رواں سال 'یو این ایف پی اے' کی تحقیق سے ایک واضح حقیقت سامنے آئی ہے کہ دنیا زچگی کی اموات کا مکمل خاتمہ کرنے،سبھی کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کی سہولت یقینی بنانے اور ہر جگہ صنفی بنیاد پر تشدد کا قلع قمع کرنے کے اہداف سے کوسوں دور ہے۔کبھی اس معاملے میں تیز رفتار ترقی دیکھنے کو مل رہی تھی جواب سست پڑ گئی ہے اور بعض جگہوں پر صورتحال پہلے سے بھی زیادہ خراب ہے۔اس کی وجہ کیا ہے؟ دراصل عالمی موسمیاتی بحران،جنگیں اور خواتین،لڑکیوں اور دیگر پس ماندہ سماجی گروہوں کو محکوم بنانے کی روایات اور طور طریقوں کا دوبارہ تقویت پانا اس کی بڑی وجوہات ہیں۔

'خواتین کے حقوق انسانی حقوق ہیں'

2025 میں خواتین کے بارے میں بیجنگ کانفرنس کو 30 سال مکمل ہو جائیں گے جس میں امریکہ کی سابق خاتون اول ہلیری کلنٹن نے مرکزی خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ 'انسانی حقوق خواتین کے حقوق اور خواتین کے حقوق انسانی حقوق ہیں۔' بحرانوں،جنگوں اور تقسیم کے باعث اس سچائی کے اعتراف کی جانب دنیا کی راہ کھوٹی نہیں ہونی چاہیے۔فی الوقت دنیا کا کوئی ملک مکمل صنفی مساوات کے ہدف کو نہیں پہنچا۔ ہر 10 منٹ کے بعد ایک خاتون اپنے مرد ساتھی یا خاندان کے ارکان کے ہاتھوں ہلاک ہو جاتی ہے۔روزانہ 800 خواتین حمل اور زچگی کی قابل انسداد وجوہات کے باعث موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں اور دنیا میں نصف حمل خواتین کے ان چاہے ہوتے ہیں۔ان ناانصافیوں کا خاتمہ کرنے کے لیے خواتین اور لڑکیوں پر سرمایہ کاری کرنا ہوگی،پرانی و نئی دانش سے کام لینا ہوگا اور تمام لوگوں بالخصوص انتہائی بدحال طبقات کے حقوق کی حمایت کرنا ہوگی۔دنیا کے امن،خوشحالی اور امکانات کا اسی پر دارومدار ہے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثرورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئند اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف ’ُ کر کے بھیجیں

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضا مندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشو نما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے با عزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشو نما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو و نما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ